

# ہمکشاں



تاریک رہ گزر ہے تو سر پہ ہے ہمکشاں  
گرم سفر ہے آئینہ دل کا کارواں

صلاح الدین نیر

## جملہ حقوق یہ حقِ انجمن کہکشاں محفوظ ہیں

تاریخ و سن اشاعت: ۵۔۔۔۔۔ نومبر ۱۹۹۲ء

تعداد اشاعت: ۵۰۰۰۰

کتابت: شفیع اقبال

طباعت: \* اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد

ناشر: صلاح الدین نیئر

ترتیب و تزئین: ۵۰۰۰۰ صالحہ الطاف (مدیرہ خاتون دکن)

ڈاکٹر صابرہ سعید

بزدی رقمی اعانت: ۵۰۰۰۰ اُردو اکیڈمی آنڈھرا پردیش۔

قیمت: ۶۰ روپے

پولنے کے پتے:

• حسامی بک ڈپو - پھلی کمان، حیدرآباد ۲۰۰۰۰۵

• مصنف کہکشاں، ۸۲۴/۷-۱۱، نیو ملے پلی، حیدرآباد ۱۰۰۰۰۵

فون نمبر: ۲۲۰۰۱۵

## انتساب

• اپنی تیسری نسل کے اُن شگفتہ پھولوں کے نام جن کے لئے میں  
بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں کہ ان کی زندگی کا ہر  
لمحہ سچائی، نیکی، اُصول پسندی، دیانت داری اور ایمان داری سے  
دالبتہ رہے۔

• یہ نام میرے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے ہیں جن کا مستقبل  
خدا کرمے کہ روشن سے روشن تر رہے۔

پوتے - پوتیاں :

• نجم المحرریشان - بصیرت نور افشاں - رحمت شمسال  
• احتشام الدین عارف - سیف الدین عارف - عظمیٰ عارف سارا عارف  
• فروزانی منہاج الدین خسرو - شاداں منہاج الدین خسرو -  
نواسے - نواسیاں -

• رضی الدین شمیم - الیق الدین نسیم - عتیق الدین وسیم  
• شفیق الدین عظیم - نجم کشاں - شبنم گلشیاں - نسیم زرفشاں  
• مصباح الدین سہیل - مفتاح الدین فیصل - ملاح الدین فیصل  
حسن بلال (راہیل) - جویریہ (جوی)

صلاح الدین نیر

## ترتیب و قزین

- کھکشاں — ..... صلاح الدین نیر ۷
- صلاح الدین نیر کی فائیل سے (اقتباس بلا ترتیب) صلاح الطاف (مدیر فائیل دکن) ۱۰
- مصنف کی تحریریں =
- ۳۲ فیضانِ رسولؐ جاری ہے — مکہ مدینہ کی زیارت اور عالمی شاعرہ -
- ۶۸ راج بھون - گورنر اندھرا پردیس (جناب کرشن کانت) اور صلاح الدین نیر
- ۵۸ محفلِ خواتین - عظمتِ عبدالقیوم - صلاح الدین نیر
- ۷۱ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن -
- ۸۰ میرا شہر میرے لوگ
- ۹۷ حیدر آباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین -
- ۱۰۲ فیضانِ رسولؐ
- ۱۰۶ ڈاکٹر علی احمد جلیلی - کم آمیز، کم سخن اور قابلِ احترام شاعر
- ۱۱۵ اُردو تہذیب کا نمائندہ شاعر - منوہر لال بہار
- ۱۱۹ خوشبوئے غزل - (تہذیبِ نظر کی شاعرہ) فاطمہ تاج
- ۱۲۶ تہذیبِ انسان - معتبر شاعر - مومن خاں شوق
- ۱۳۴ شمعِ فوزاں کا شاعر - بہترین انسان، نفیس شہزادہ پرنس شہامت جاہ



قلم بولتا ہے۔۔۔ جوان سال و باصلاحیت شاعر۔ وقار ریاض ۱۹۶۶  
صلاح الدین نیر۔۔۔ دانشوروں کی نظر میں۔

- ۱۵۷ رشتوں کی ہیک (رسم اجراء تقریب کے موقع پر) ڈاکٹر سی. نارائن ریڈی ستر ۱۵۷  
 ۱۵۸ قافلہ چلتا رہے گا ( " " " " " " )  
 ۱۵۹ پھر وہی پر چھائیاں ( " " " " " " )  
 ۱۵۹ صلاح الدین نیر (لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا) ہاشم حسن سعید  
 ۱۶۳ پھر وہی پر چھائیاں (رسم اجراء تقریب کے موقع پر) صالحہ الطاف  
 ۱۶۶ خوشبو کا سفر۔۔۔ پروفیسر حبیب ضیاء  
 ۱۶۹ پھر وہی پر چھائیاں۔۔۔ فاطمہ تاج

### منظوم تاثرات

- ۱۷۶ سفر جلدی ہے۔۔۔ رسم اجراء تقریب کے موقع پر (ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید  
 ۱۷۷ اُردو کا پیام۔ نیر کے نام۔۔۔ نایاب سلطانہ  
 ۱۷۹ سلسلہ پھولوں کا (رسم اجراء تقریب کے موقع پر)۔ فاطمہ تاج  
 ۱۸۱ قافلہ چلتا رہے گا ( " " " " " " )  
 ۱۸۲ پھر وہی پر چھائیاں ( " " " " " " )  
 ۱۸۳ کیا گیا جائے ( " " " " " " )

### صلاح الدین نیر خطوط کے ٹیٹے میں

۱۸۴ تا ۲۲۸

جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد۔

پروفیسر احتشام حسین • پروفیسر گیان چند جین • ڈاکٹر غلام دستگیر رشید  
 پروفیسر اکبر علی خاں • محبوب حسین جگر • شاہد صدیقی • اختر حسن •  
 پروفیسر منظور عالم • سید ہاشم علی اختر • ڈاکٹر راج بہادر گودرہ •  
 پروفیسر غلام عمر خاں • ڈاکٹر داسر تھی • سلیمان اریب • فکرتونسوی  
 شتان الحق حق • رضا نقوی داہی • پروفیسر شہریار • پروفیسر نثار احمد فاروقی  
 ڈاکٹر رزاق فاروقی • پروفیسر کریمت علی • عتیق احمد عتیق • ڈاکٹر مظفر حنفی  
 زبیر رضوی • عزیزہ نعمانی • شیرید • مظہر امام • سلیمان خطیب  
 ابو الفیض سحر • انیس الحق • ڈاکٹر راہی قریشی • افتخار امام •  
 کیسہ احمد • فاطمہ عالم علی خاں • پروین کمال • صالحہ الطاف  
 سعید محسن یاغمر علی • عبدالرحیم آرزو • محسن کمال • حامد بن شبیر  
 راشد آفر • رئیس اختر • ظہور الحسن • اکمل حیدر آبادی

## کہکشاں

میلری بہت ہی پیاری، چہیتی نواسی ”انجم کہکشاں“ نے جو اردو لکھا پڑھنا جانتی ہے اور جس کو اردو شعروادب سے کافی دلچسپی ہے، ایک دن میرے اسٹیڈی روم میں لگے ہوئے بک شلف میں کتابیں دیکھ رہی تھی۔ کتابیں دیکھتے دیکھتے اُس نے مجھ سے کہا۔ یہ ساری کتابیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں کل کون پڑھے گا، کون حفاظت کرے گا ان کی۔ (چونکہ اکثر گھرانوں میں اردو دیکھنے پڑھنے کا چلن کم ہوتا جا رہا ہے) میں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں نے جو چراغ، خونِ جگر سے جلایا ہے وہ کبھی بجھ نہیں سکتا۔

کہہ لی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو جب انسان اس کو سلجھانے کے موقف میں رہتا ہے تو قدرت اُس کی مدد کرتی ہے۔

طوفانوں اور آندھیوں میں بھی اردو کا چراغ جلتا رہے گا۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اُس نے شلف سے ایک کتاب نکالی اور پڑھنا شروع کیا۔ میں نے کہا اسی کو روشنی کا تسلسل کہتے ہیں۔

جب انجم کہکشاں کی شعروادب سے دلچسپی دیکھی تو دفعتاً خیال آیا کہ کیوں نہ زیرِ ترتیب کتاب کا نام ”کہکشاں“ رکھا جائے۔ جو لوگ مجھے بہت عزیز ہوتے ہیں انہیں میں کسی نہ کسی انداز میں دل و دماغ کی خلوت گاہ

میں محفوظ کر لیا کرتا ہوں۔ میرا دامنِ رُنت نئے پھولوں کے ٹکڑے سے مہکا ہوا رہتا ہے۔

اس کتاب کا انتخاب اپنی تیسری نسل کے اُن تمام شگفتہ پھولوں کے نام کر رہا ہوں جو آسمانِ فکر و خیال میں کہکشاں کی طرح چمک رہے ہیں اور جن کی روشنی سے ایک ایک گوشہٴ حیات منور ہوتا رہتا ہے۔

”کہکشاں“ میں کچھ مشاہیر اُردو شاعر، ادیب، نقاد، دوست احباب اور کچھ عنایتِ فراؤں کے بعض خطوط کے اقتباسات بھی شامل ہیں اور یہ تمام خطوط میری شخصیت اور میری شاعرانہ زندگی کے عکاس ہیں۔ میرے پہلے مجموعہٴ ”کُل تازہ“ کی اشاعت کے بعد سے ہی مشاہیر اُردو کے خطوط میرے نام آئے گئے۔ میں نے اُن شخصیتوں کے تاثرات کو جو میری ذات اور میری شاعرانہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، پھولوں کی لڑائیوں کی طرح ایک ساتھ پر دیا ہے۔

تما رُسن کو بعض مضامین کی شمولیت سے اندازہ ہو گا کہ یہ تحریریں میری شاعرانہ زندگی کے بہت سے اہم پہلوؤں سے وابستہ ہیں۔

”کہکشاں“ میں، میں نے اپنے مضامین کے علاوہ بعض واقعات کی تحریریں بھی شامل کی ہیں۔ میری یہ کتاب اُردو اکیڈمی آئڈل پر دیس کی حمزوی اعانت سے شائع ہو رہی ہے جس کے لئے میں اُردو اکیڈمی آئڈل پر دیس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرے شاعر دوست جناب شفیق اقبال نے میری بعض دوسری کتابوں کی طرح کہکشاں کی کتابت کے لئے بھی کافی دقت دیا ہے، میں شفیق اقبال صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے دقت کی پابندی کرتے ہوئے کتابت کی تکمیل کی۔ اعجاز پریس

کے مالک عزیزم سید نور محمد کا تعاون کئی برسوں سے جاری ہے۔ نہایت ذمہ دار کے ساتھ میری کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ مجھے ان کا تعاون بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔

اس کتاب کی ترتیب و ترتین حسب روایات میری بہن عالمہ الطاف اور ڈاکٹر صابرہ سعید (رضوانہ) نے کی ہے۔ ان کے علاوہ بعض بے نام دوستوں کی مشاورت بھی کام آتی رہی۔ بہت سے کرم فرماہیں کس کس کاموں میں۔ کتاب قارئین کے پیش نظر ہے۔ نہ یادہ کیا عرض کروں۔

صلاح الدین نیئر

”کپکشاں“ 824/7-3-11ء

نیوٹن پٹی۔ حیدر آباد۔ ۵۰۰۰۰

یکم نومبر ۱۹۹۶ء

## صالحہ الطاف

مدیر "خاتونِ دکن"

## صلاح الدین نیر کی فائیل سے

(اقتباس ..... بلا ترتیب)

• جناب صلاح الدین نیر، تعلقہ ہمنہ آباد، ضلع بیدر شریف (ریاست حیدرآباد دکن) کے ایک علمی و دینی چھوٹے زمیندار گھرانے میں ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم جناب محمد شمس الدین ایک کامیاب تاجر ہونے کے علاوہ جامع مسجد ہمنہ آباد کے خطیب تھے۔ ایک صوفی فنش، خدا ترس، دیندار انسان تھے جن کا شمار ہمنہ آباد کے اولین حاجیوں میں ہوتا ہے۔ جو اپنے سات بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد کا نام سراج الدین تھا۔ صلاح الدین نیر کے بزرگ خاندان حضرت سید قطب الدین حسینی بخاری کے متقدمین میں سے تھے جن کے ہمراہ وہ بیدر سے ہمنہ آباد آئے تھے۔ حضرت بخاری ہمنہ آباد کے راجہ، راجہ رام چندر کی حوالت پر بیدر سے ہمنہ آباد آئے تھے۔ راجہ رام چندر، حضرت بخاری کا عقیدتمند تھا۔ حضرت قطب الدین حسینی بخاری پہلے مسلمان ہیں جو ہمنہ آباد میں سب سے پہلے تشریف لائے۔ محلہ کفر توڑ ہمنہ آباد کی مسجد میں ان کا خزانہ ہے۔ ہمنہ آباد میں بے دخل مسلمانوں کا پہلا خاندان جناب صلاح الدین نیر کا بھی ہے۔

اُن کے پٹیر ناما جناب محی الدین ریشم کی تجارت کرتے تھے۔

جناب صلاح الدین نیر کے والد بزرگوار جناب شمس الدین کی تین بیویاں تھیں دو بیویوں سے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے تیسری شادی کی۔ تیسری بیوی سے ۴ بیٹیاں اور ۲ بیٹے تولد ہوئے۔ صلاح الدین نیر بڑے بیٹے ہیں۔ ان سے پٹیر ناما چار بہنیں ہیں ان کی قیمتوں والدہ ایک ہی مکان میں رہتی تھیں جو ایک باڑہ کی شکل کا مکان تھا۔ والدہ تمام بچوں کو دل و جان سے چاہتی تھیں۔ بچے زیادہ تر اپنی سوتیلی ماؤں سے لاگو تھے۔ خاص طور پر بڑی بہن فخر النساء بڑی والدہ سے بہت قریب تھیں۔ اسی طرح بڑے بیٹے صلاح الدین نیر دوسری والدہ سے قریب تھے۔ گھر کا سارا ماحول نہایت خوش گوار تھا۔ تینوں والدہ مل جل کر رہتی تھیں۔ جناب صلاح الدین نیر کی عمر ۱۵ برس کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ کوئی معاشی پریشانی نہ تھی تینوں والدہ کے علاوہ انہیں اپنے چچا غلام نبی، پھوپھی زاد بھتیجی جناب عبدالحق، ماموں مسرر عبدالحق عبد الغفور اور عبد الشکور کی سرپرستی حاصل تھی۔ ان تمام کی سرپرستی صرف تربیت کے حد تک تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ بہنوی عبدالحق خاتون حنیفہ گھر داماد جیسی تھی۔

• جناب صلاح الدین نیر نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے تایا حضرت حیدر علی سے حاصل کی۔ مدرسہ وسطانیہ ہمنما آباد میں داخلہ لیا۔ اُن کے شفیق اساتذہ میں سے ایک استاد جناب نبی الحسن فیض آبادی (یو۔ پی) بھی تھے جو صلاح الدین نیر کی تعلیمی حالت سے بے حد مطمئن تھے اور انہیں بہت چاہتے تھے۔ جب صلاح الدین نیر تیسری جماعت کے طالب علم تھے تو اُس وقت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر

اسکول کے معائنہ کے لئے آئے تھے۔ کلاس میں پہنچ کر دورانِ معاہدہ صلاح الدین  
نیر سے نام پوچھا اور نام کے معنی دریافت کئے۔ پیٹھ تھپتھا کر سر پر ہاتھ  
رکھ کر دعائیں دیں۔ صلاح الدین نیر جماعت ہفتم کی تعلیم حاصل کرنے کے  
بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدر آباد جانا چاہتے تھے۔ سرپرستوں کی یہ خواہش تھی کہ والد  
کے کاروبار سنبھالیں۔ صلاح الدین نیر دھن کے پکے تھے۔ کسی طرح اپنی والدہ کو منا  
لیا اور تعلیم کی غرض سے حیدر آباد آ گئے۔ حیدر آباد آنے کی ترغیب اُن کے خال زاد  
بھائی عبدالستار نے بھی دی تھی۔ ملازمت کے سلسلے میں بھی اُنہوں نے دلچسپی لی تھی۔  
حیدر آباد آنے سے پہلے جناب صلاح الدین نیر ہنا آباد ہی میں منشی (جامعہ نظامیہ  
کا امتحان) دیا تھا۔ سو میٹرک کے مماثل تھا۔ جناب علیم الدین بھی اُن کے اچھے استاد  
تھے۔ حیدر آباد پہنچ کر اُنہوں نے پرائیوٹ اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے علیگڑھ  
میٹرک کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ حیدر آباد میں میٹرک کی تعلیم پیراڈائز  
انسٹی ٹیوٹ میں حاصل کی، جہاں ان کے اساتذہ میں ڈاکٹر زان فاروقی ریٹائرڈ  
صدر شعبہ اردو بنگلہ گریجویٹس بھی تھے۔ جناب ایکناتھ پرشاد ہندی پڑھاتے تھے۔  
جناب صلاح الدین نیر نے ہنا آباد میں اپنے استاد (نبی الحسن) سے فارسی میں مہارت  
حاصل کی، ہنا آباد اسکول کے بانی جناب عبدالسلیم تھے، جب وہ فالج کے عارضہ  
میں مبتلا ہوئے تو اسکول کے سینئر و قابل ترین استاد جناب نبی الحسن صدر مدرس  
مقرر ہوئے۔ اسکول کے دوستوں میں عبدالغفور ان کے بہت اچھے دوست تھے  
خلفے کے دوستوں میں بھوپتی زاد بھائی محمد شفیع الدین قابل ذکر ہیں۔  
چچا زاد بھائی عبدالکریم بھی ان کا خیال رکھتے تھے۔ محمد علی اور عشق



بھی اچھے دوست تھے۔ صلاح الدین نیرنٹ بال کے لپچھ کھلاڑی تھے ہیں۔

جناب صلاح الدین نیرنٹ کے دو بھائی کے تمام افراد زراعت پیشہ تھے لیکن ان کے والد نے کبھی زراعت نہیں کی۔ اپنی آبائی زمین قول پر دے دی، اور خود تجارت میں مصروف ہو گئے۔ ابتداء میں ریشم کے کاروبار کیا کرتے تھے۔ حج سے واپس اپنے ساتھی حاجی اور دوست جناب محمد حسین کی شرکت میں کپڑے کی دوکان لگائی۔ تنمیاں کے کچھ افراد تجارت پیشہ تھے اور کچھ ملازم سرکار۔ ان کے والد اپنی والدہ کی بہت خدمت کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی دعاؤں سے شمس الدین کا گھرانہ تمام خاندان میں ہر اعتبار سے خوشحال رہا۔ دو بھائی کا یہ واحد گھرانہ ہے جو تمام خاندان کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ کامران و کامیاب رہا۔

میرک کا امتحان ان کے چھوٹے بھائی ضیاء الدین اور بھتیجے مجیب الدین نے بھی ساتھ ساتھ دیا۔ میرک کامیاب کرنے کے بعد انٹر میڈیٹ کے لئے مدھیہ پردیش بورڈ کا امتحان دیا۔ بھوپال اور اجیر شریف امتحانی سٹر تھے۔ مولانا قمر کے ادارہ شرقیہ میں اور مولانا گلیمی کے ادارہ اشاعت العلوم میں منشی فاضل (جامعہ نظامیہ) کی تعلیم پائی۔ اردو شرقیہ میں منشی فاضل کے ساتھی ڈاکٹر تیز مرہوم اچھے دوست تھے۔ مولانا گلیمی نے شعر کہنے اور شعر بھی کی تعلیم دی۔ شعر و سخن کا ذوق ادارہ اشاعت العلوم کے علمی و ادبی ماحول سے پیدا ہوا۔ ادارہ اشاعت العلوم کے ساتھی مولانا صاحب حسینی بہترین دوست رہے ہیں۔ منشی فاضل کی تعلیم کے سلسلے میں مولانا گلیمی ہمارے علامہ تلمیذ الحسن کے طریقہ تدریس نے متاثر کیا۔ اردو شعروادب سے دلچسپی کی بناء پر ادب و ادبیات اردو کے اردو عالم اور اردو فاضل کے امتحانات دیئے اور امتیاز کے

ساتھ کامیابی حاصل کی۔ جامعہ اُردو علی گڑھ کا امتحان ادیبِ کامل بھی امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا۔ منشی فاضل کی بنیاد پر لا کلاس (وکالت) میں داخلہ لیا۔ جس کی کلاسس شام میں ہائی کورٹ کی ایک بلڈنگ میں ہوا کرتی تھیں۔ اُس زمانے میں درجہ اول، درجہ دوم اور درجہ سوم کی وکالت کا بھی رواج تھا۔ لا کلاس کے فارغ التحصیل آپ بھی اپنے پیشہ وکالت میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ وکالت کی تعلیم صرف اُردو میں ہوتی تھی۔ وکالت کی ایک سال تعلیم پائی۔ راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں بہ حیثیت کلرک تقرر ہوا۔ پہلی پرسننگ گوشہ محل کے آفس میں ہوئی۔ پھر منغل پورہ اور ملک پٹھ کے راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں متعین رہے۔ کچھ دنوں کے لئے کتہ گوٹرم (ضلع گھم) کے آفس پر تبادلہ ہوا۔ جب راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں تخفیف عمل میں آئی تو ان کا انجذاب محکمہ کمپوٹی پروجکٹ میں ہوا۔ (کتہ گوٹرم پر تبادلہ ہونے کی وجہ سے وکالت کی تعلیم ترک کر دی)۔

حیدرآباد میں اپنی بہن کے مکان واقع سیری اللادہ (گھانسی بازار) میں مقیم رہے۔ ان کے بہنوئی غوث محی الدین لینڈ ریکارڈ محکمہ بورڈ آف ریونیو میں انسپکٹر تھے۔ اسی مکان میں اُن کی ماموں زاد بہن بھی رہتی تھیں۔ ان کے شوہر عبد الواحد خاں محکمہ اعداد و شمار میں انسپکٹر تھے۔ ریاستوں کی تقسیم جدید کے بعد ان کا الائنٹ ریاست مہاراشٹر میں ہوا۔ محکمہ ڈائریکٹریٹ کمپوٹی پروجکٹ کے ڈائریکٹر جناب گرو سوامی تھے اور سکریٹری جناب ظہیر احمد (سکریٹریٹ وینگ)۔ اس محکمہ کے ساتھیوں میں مسرہ علیم الدین، افضل حسین، خواجہ معین الدین، خواجہ بہاء الدین، بی۔ بی۔ وانگرے، پیر بھاکر رائے، کشیا کرن اور درجن رائے قابل ذکر ہیں۔

۱۹۵۶ء میں جب ریاستوں کی تنظیم جدید ہوئی تو کمیونٹی پرو جکٹ کا سارا محکمہ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ (سکریٹریٹ) میں ضم ہو گیا۔ یہ محکمہ کچھ دنوں کے لئے سکریٹریٹ کی روبرو بلڈنگ شاہ پور واڑی میں رہا۔ سکریٹریٹ کے دوسرے محکموں کی طرح اس محکمہ میں بھی آئندہ اور تعلقانہ کے لئے جگہ ملازمین کو کرتے تھے لیکن تعداد کے اعتبار سے ملازمین آئندہ کی تعداد تعلقانہ کے ملازمین کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ اہم اہم سیکشن آئندہ کے ملازمین کے سپرد کیے جاتے تھے۔ آئندہ کے ملازمین اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں جناب صاحب نیسرنے کبھی اپنی انفرادیت کو متاثر ہونے نہیں دیا۔ حیدر آبادی تہذیبی روایات کی ہر وقت پاسداری کی۔ ۱۹۵۷ء میں یو۔ ڈی۔ سی۔ (اسٹنٹ سیکشن آفسر) کی حیثیت سے ترقی ملی۔ کچھ برسوں کے بعد سیکشن آفسر (گزٹڈ) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۲ سال تک سیکشن آفسر رہ کر وظیفہ حسنِ خدمت پر محکمہ کو وداع کیا۔ ۱۹۵۶ء سے ریٹائرمنٹ تک ایک ہی محکمہ پلاننگ اینڈ نیچائٹ راج میں رہے۔

۱۹۵۹ء میں ایوننگ اُردو کالج میں بی۔ او۔ ایل (گریجویشن) میں داخلہ لیا۔ کالج کے شفیع اساتذہ میں پروفیسر علی محمد، پرنسپل کالج کے علاوہ ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر مفتی تبسم اور منظور احمد منظور شامل تھے۔ پروفیسر سید محمد پرنسپل اُردو کالج سے بھی ایم۔ او۔ ایل کی تعلیم کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کی۔ ایم۔ او۔ ایل (ایم۔ اے) کا امتحان اُردو کالج کے طالب علم کی حیثیت سے دیا۔ صرف ایک کلاس اٹینڈ کی جبکہ عثمانیہ یونیورسٹی سے معائنہ کے لئے کمیشن آنے والا تھا۔ ڈاکٹر حبیب ضیا پڑھا رہے تھیں۔ ایم۔ او۔ ایل کا امتحان امتیاز کے

ساتھ کامیاب کیا۔ ایم۔ اد۔ ایل کے امتحان کی تیاری اپنے طور پر کی۔ کالج میں برائے نام داخلہ لیا تھا۔ اپنے کالج کی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں بین کلیاتی ادبی مقابلوں کو عروج پر پہنچایا۔

اردو کالج کی طالب علمی کے زمانے میں اردو مجلس کی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو وابستہ کیا۔ مسرر منظور احمد اور پروفیسر معنی تبسم معتمدین اردو مجلس تھے۔ جناب صلاح الدین نیر نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں علامہ قدس عریضی اور جناب اوج یعقوبی سے مشورہ کسین کیا کرتے تھے۔ حضرت قدس عریضی، فی البدیہہ شعر کہلاتے تھے۔ جناب صلاح الدین نیر نے اپنی ابتدائی شاعری کے دور کا سارا کلام ضائع کیا (جو مشق کے طور پر تھا)۔ اُس دور کی کوئی ایک غزل بھی ان کے کسی ایک مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ ابتدائی زمانہ شاعری صرف مشق کا تھا۔ صلاح الدین نیر اپنی خوش بامی، خوش مزاجی اور اپنی ترنم رتیر شاعری کی وجہ سے شعر و ادب کی محفلوں میں اپنا رنگ جانے لگے۔ حوال سال ذہین ظہین شاعر کی حیثیت سے ہر محفل میں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ شاعری کے ابتدائی زمانے سے ہی شہرت کی بلندی کو چھونے لگے۔ گزشتہ ۳۵ برسوں سے ان کی ترقی کے قدم کبھی بھی نہیں رُکے۔ ان کی خوشبو کا سفر جاری ہے۔ ابتدائی شاعری کے اولین دور کے شاعروں میں ناصر کرلوی، ڈاکٹر صادق تھوی، رئیس اختر اور ساجد رضوی قابل ذکر ہیں۔ طرحی و غیر طرحی شاعروں میں کلام سناتے رہے۔ اضلاع کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے (آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے)۔ اُھو کالج کی طالب علمی کے زمانے کے دوستوں میں ہاشم حسن سعید طالب علم ایم۔ اے (جامعہ عثمانیہ)

خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ طالبات میں فاطمہ نسربین (وینس کالج) کے علاوہ اور بھی دیگر لڑکیاں جنہیں شعر و ادب سے کافی ذوق تھا، یاد رکھ جانے والے نام ہیں۔ اُردو فیسٹول کے سلسلے کے طلباء دوستوں میں مسعود حسین، الطاف حسین، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، احمد حلیس سے بھی اچھے مراسم تھے۔ اُس دور کے اساتذہ میں ڈاکٹر حفیظ قتیل اور حامد شطاری حوصلہ افزائی کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔

سکرٹریٹ کے بہترین ساتھیوں اور دوستوں میں سید افضل حسین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، عباس ہاشمی، خواجہ معین الدین، بی۔ این۔ واگھریے، پرہیزگار، راؤ، کشیا کرن، اور ارجن راؤ اور عبداللطیف (اندھرا) کا شمار ہوتا ہے۔ جو میر میں شکیل احمد کو بھی وہ پسند کرتے ہیں۔ سنیر حقرات میں محمد فضل خاں، غوری صاحب، عابدی صاحب، یس۔ ایم۔ قادری اور رحیم الدین کی رفاقت نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ سکرٹریٹ کے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی بہترین مراسم رہے۔ ان میں مسرزیس۔ اے۔ قادر، ایڈیشنل چیف سکرٹری، رائے کج بہاری لال، ایڈیشنل چیف سکرٹری بھارت چند کھنہ، ہاشم علی اختر، غلام احمد، غلام دستگیر قریشی، ہاشم علی خاں، غلام جیلانی، گرو داس، رشید قریشی، خواجہ محمد عابدی، یس۔ اے۔ واسع، یس۔ اے۔ عزیز، یس۔ کے۔ بیٹھ، محمد تاج الدین، رہن راؤ، سعد حسین سعد، شیخ مولا، صادق احمد، میمن احمد، اور تراب الحسن کے نام اہم ہیں۔ جناب خواجہ بہاء الدین نے صلاح الدین نیر کے کلام کو مختلف پروگراموں میں پیش کر کے ادبی شہرت میں اضافہ کیا ہے۔ سکرٹریٹ میں بے شمار اہلِ عرض لوگوں کی بے لوث خدمت انجام دی۔

ملک الشعراء ادراج یعقوبی کے احکام اجراء کے علاوہ کالج آف لٹریچر کے احیاء کے لئے رپرنسپل ہاشم حسن سعید، مدینہ کالج آف ایجوکیشن محبوب نگر کے قیام اور ہندی اکیڈمی کی سالانہ گرانٹ کے لئے کلیدی رول ادا کیا۔ ادارہ ادبیات اردو اور انجمن ترقی اردو کی گرانٹ کے سلسلے میں بھی تعاون کیا۔ اداروں کو گرانٹ کے سلسلے میں سکریٹریٹ کے کسی محکمہ کے متعلق کوئی کام کیوں نہ ہو بھرپور اور کامیاب تعاون لیا کرتے تھے۔ سکریٹریٹ بلڈنگ میں واقع ڈسپنسری سے وابستہ نظام زندانی بھی ایک بہترین دوست اور ادب نواز شخصیت کی طرح سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے پروگرامس میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اعلیٰ عہدیداروں سے مراسم کی بنیاد پر نوجوانوں کے پاسپورٹ فارم پر سائن کروائے۔ مستحق ملازمین سرکار کے تبادلوں اور مستحق نوجوانوں کے تقررات کے سلسلے میں کامیاب سفارش کی۔ سکریٹریٹ میں اردو کے ماحول کو زندہ رکھا۔ اردو اسوسی ایشن کی معرفت بہت سے ضرورت مندوں کے کام لگائے شروع ہی سے عہدیداران سکریٹریٹ سے اچھے مراسم رہے۔ باوقار انداز میں سہ خدی کے ساتھ اپنی سرکاری ذمہ داری کو پورا کیا۔ پوری مدت ملازمت میں کسی بھی قسم کا بیمارک نہیں کیا گیا۔ اپنی شخصی دلچسپی سے سکریٹریٹ کے محکمہ تعلیمات (کلچر آفیز سیکشن) سے بیسیوں شاعروں، ادیبوں کے مسودات پر گرانٹ دلائی جناب حبیب الدین سیکشن آفیسر محکمہ تعلیمات (کلچر آفیز) نے مسلسل تعاون کیا ہے۔

جن میں قابل ذکر ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر صابرہ سعید، انیس  
قیوم فیاض، رئیس اختر اور ایسے ہی کئی ادیب و شاعر کے مسودات شامل تھے۔ ہر  
اہلِ غرض جو ان کے پاس آتا اُس کو مایوسی نہ ہوئی۔

چیرمین تلگوچ کمیشن ڈاکٹر سی۔ ماراٹن ریڈی کو (جن کا آفس سکریٹریٹ میں  
تھا) ریاستی دفاتر میں تلگو کے زبردستی نفاذ کے سلسلے میں نرم یا ایسی اختیار کرنے  
کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ بیشتر امور میں ڈاکٹر ریڈی نے ان کے مشوروں کو عملی جامہ  
پہنایا۔ ڈاکٹر ریڈی اردو و اردو شعری میں صلاح الدین تیر سے مشورہ لیجھ کر کیا کرتے  
ہیں۔ یہ سلسلہ آج جاری ہے۔

۱۹۵۹ء میں اخبارِ سیاست سے اُس وقت وابستہ ہوئے جب وہ  
اردو کالج میں بی۔ اے۔ ایل کے طالب علم تھے۔ جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ  
ایڈیٹر سیاست نے جناب شاہد صدیقی سے یہ کہہ کر حنفی شعر کا کالم دیا کہ صلاح الدین تیر  
اردو کالج کی ٹیم اردو کے صدر ہیں۔ جناب عابد علی خاں مدیر سیاست اور جناب  
محبوب حسین جگر کسی راست نگرانی میں ادبی امور تکمیل پاتے رہے۔ علمی و ادبی  
سرگرمیوں میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ شعبہ شعر و سخن کے انچارج کی حیثیت سے  
شعراء کا تقارنی سلسلہ، کلام کا انتخاب، اصنافِ سخن، انعامی مقابلے، بہترین اشعار  
کا انتخاب، اور ایسے ہی مختلف نوعیت کی سرگرمیوں میں اہم حصہ ادا کرتے رہے۔  
جناب عابد علی خاں، جناب محبوب حسین جگر کے ساتھ اعتماد کی فضا میں لا الہ الا  
۳۔ برس سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ (آج بھی اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں)  
جناب زاہد علی خاں مدیر سیاست بھی تیر صاحب کی ذمہ دارانہ روش سے مطمئن ہیں۔

سیاست میں صلاح الدین نیر کے تبصرے، انٹرویوز مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جنہیں کتابی شکل دی جا چکی ہے۔

سکرٹریٹ میں ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی سے اکثر ملاقاتیں رہیں۔ اُردو شعروادب کے مختلف مسائل پر مشورہ کیا کرتے تھے۔ جناب الیم باگا ریڈی جب وزیر پچائت راج بن کر سکرٹریٹ آئے تو اُس زمانے میں بعض ملازمین سرکار کو اُن کا حق دلانے میں کامیاب رہے۔ عہدیداران سکرٹریٹ میں جناب غلام احمد ایسے معاملات میں بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ سکرٹریٹ کا ماحول اُن کے لئے ہر اعتبار سے سازگار رہا۔ ملازمین کا کوئی ایک دور بھی الجھنوں کا باعث نہیں بنا۔ اچھے دوستوں، اچھے افسروں کا ساتھ رہا۔

سکرٹریٹ اسوسی ایشن کے تحت بے شمار ادبی، شعری و تہذیبی (موسیقی) پروگرامس ہوتے رہے۔ شعبہ موسیقی کے انچارج جناب خواجہ بہاء الدین نے اپنے رفقاءے کار عباس ہاشمی، حسین خاں، شکیل احمد وغیرہ کے ساتھ یادگار پروگرامس پیش کیا کرتے تھے۔ منظر النساء، تازہ اور سیدہ محسنہ شعبہ خواتین کی انچارج تھیں۔ اُسی زمانے میں منظر النساء، نیر صاحب سے مشورہ سننے کرنے لگیں۔ جناب ایس۔ اے۔ واسع جوائنٹ سکرٹری پچائت راج کے لئے بھی وہ دور بہترین دور رہا۔ کئی ملازمین سرکار کو انہوں نے فائدہ پہنچایا۔ جب ”سلسلہ پھولوں کا“ (خودنوشت) شائع ہوا تو سکرٹریٹ کے اعلیٰ عہدیداروں نے جناب غلام احمد کی قیادت میں نظام



میں استقبالیہ دیا جن میں حسبِ ذیل اعلیٰ افسران شریک تھے۔ ہاشم علی اختر  
خالد انصاری، راجن خواجہ، غلام دستگیر قریشی، رمن راؤ، ڈاکٹر حسن الدین احمد  
صادق احمد، تراب الحسن اور سعد حسین سعد۔

جب سکریٹریٹ میں اردو سے دلچسپی لینے والے رفتہ رفتہ کم ہوتے  
لگے تو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے جلسے کمیٹی ہال کے بجائے مولانا ابوالکلام  
آزاد انسٹی ٹیوٹ میں ہونے لگے۔ اسوسی ایشن کے جلسے اب بھی وہیں یہ ہیں  
ہیں۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے نام میں 'قدیم' کا اضافہ کیا گیا تاکہ  
یہ اسوسی ایشن کسی مرحلہ پر بھی نہ ٹھیکرے گا شکار نہ ہو۔ جو چراغ اردو و  
صلاح الدین نیر نے جلا یا ہے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ جلتا رہے۔  
اس وقت ریٹائرڈ چیف سکریٹری جناب شرون کمار سرپرست اسوسی  
ایشن ہیں۔ نائب صدر مسرہ غلام احمد، خالد انصاری، یس۔ اے۔ واسح،  
رمن راؤ، صادق احمد، سعد حسین سعد، خواجہ معین الدین ہیں۔ جناب  
تراب الحسن صدر، صلاح الدین نیر، محمد عجمی، شکیل احمد، محمد، خواجہ  
بہاء الدین، انچارج شعبہ موسیقی ہیں اور معاون انچارج شعبہ موسیقی عباس ہاشمی  
ہیں۔

صنعتی نمائش کے موقع پر ہر سال نمائش کلب میں مشاعروں کی ایک قدیم  
روایت ہے نہ اندازہ ۲۵ برس سے نظامت کے فرائض انجام دیتے آ رہے ہیں۔  
جناب ہاشم سعید کی سرپرستی میں مشاعرہ کی ذمہ دہری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔  
ادارہ ادبیات اردو سے شروع ہی سے بہ زمانہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری

جذباتی لگاؤ ہے۔ ڈاکٹر زور کی سرپرستی کئی شعری مواد کی محفلوں کے انعقاد میں معاون رہی۔ ادارہ کے آفس سیکریٹری جناب میر سراج الدین علی خاں میر صاحب لکھتے لکھا ہوں سے دیکھتے تھے۔ آتش وقت ادارہ کے شعبہ کتب خانہ کے رکن۔ ادارہ پر ونیسر جعفر نظام پروفیسر معنی تبسم کی شفقی دلچسپی سے ایسا ممکن ہو سکا۔ ادارہ کے یوم قلمی قطب شاہ کی تقاریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں کئی مشاعروں کے معتمد رہے۔ افتخار حمید اجلا میں قلمیں سنائیں۔ ادارہ کے ترجمان ہفتنامہ سب رس، میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ شاعری سے پہلے سب رس میں افسانے شائع ہوئے۔

اردو کے صف اول کے شاعر جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، قرات گور کھپوری، آئندہ ناراٹن ملا کے علاوہ سجاد ظہیر، ساحر لدھیانوی، تشکیل بدایونی اور تمام ترقی پسند اردو حاضر کے نامور شاعروں کے ساتھ مشاعرہ میں کلام سنانا چکے ہیں۔ فلم انڈسٹری کے بے تاج بادشاہ دلپ کمار، سنیل دت کے علاوہ مینا کمار، نرگس، نئی وغیرہ کی موجودگی میں مشاعرہ بڑھ چکے ہیں۔ ممتاز گلکار، عجیت سنگھ کے علاوہ ملک کے مشہور گلکار، ان کی غزلیں، دور درشن، آل انڈیا ریڈیو اور بڑے بڑے پروگرامس میں سارے پر پیش کرتے رہتے ہیں۔

میاست اختیار سے وابستہ ہونے سے پہلے درنامہ نظام گزٹ اور ملاپ میں ادبی صفحے کے لئے تعاون کیا کرتے تھے۔ فلم ماڈل (۱۹۹۷ء) کے لئے نغمے لکھ چکے ہیں شاعروں، ادیبوں کی نامزد (۶۰) کتابوں کی اشاعت میں معاون رہے محفل خواہش (غزل کی رات) ادبی میگزین کی اشاعت کے سلسلے میں بھی تعاون رہا کرتا ہے۔

محفلِ نواتین کے ارکان قاطعہ عالم علی خاں، عزیزۃ النساء، صبا، فاطمہ تاج، مظفر النساء تازہ  
 کی محفلِ نواتین سے گہری وابستگی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ترقی پسند  
 مصنفین (۱۹۸۹ء) کانفرنس کے سلسلے میں شائع شدہ انجمن کے میگزین کے مدیر  
 رہے ہیں۔ انجمن کے سکریٹری جناب راشد آذر کو ہمیشہ مخلص پایا۔ تاحال اور ان  
 سے متعلق کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ گورنر آندھرا پردیش شری مکتی کمود میں بیوٹی  
 نے اردو گھر میں "نوشہ کا سفر" کی رسمِ اجراء انجام دی۔ جوبلی ہال میں عظمتِ عبید  
 فن اور شخصیت، (مرتب صلاح الدین نیر) کی رسمِ اجراء انجام دی۔ موجودہ گورنر  
 آندھرا پردیش جناب کرشن کانت نے "یہ کیسا رشتہ" نامی رسمِ اجراء (۱۹۹۱ء)  
 اردو گھر مغل پورہ میں انجام دی۔ توین مجموعہ کلام "کیا کیا جائے" کی رسمِ اجراء (۱۹۹۵ء)  
 میزبان کی حیثیت سے راج بھون میں انجام دی۔ مسٹر کے۔ ایل۔ گاندھی پرسنل اسٹنٹ  
 گورنر آندھرا پردیش کا خلیفہ و نعاؤں اس محفل کے اہتمام میں شامل رہا۔ ڈاکٹر سی۔  
 نارائن ریڈی، ڈاکٹر سید عبدالمنان اور پروفیسر جعفر نظام ہمالان خصوصاً تھے۔ جناب  
 رئیس اختر ناظم ادبی اجلاس تھے۔ ڈاکٹر نسیم سنجواریڈی صدر جمہوریہ ہند جب پہلی  
 دفعہ حیدرآباد آئے تو حیدرآباد و سکندر آباد کے شہریوں کی جانب سے بلیک گاڑوں کے  
 سینہ دار پر شاندار پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی  
 نے تلگو میں اور جناب صلاح الدین نیر نے اردو میں تہنیتی نظم سنائی تھی۔ نواب میر  
 احمد علی خاں دزمیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش نے اردو کے شاعر جناب صلاح الدین نیر  
 کی نظم پروگرام میں رکھوائی تھی۔  
 پہلا مجموعہ کلام "گل تازہ" ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ آخری مجموعہ کلام "کیا کیا جائے"

(۱۹۹۴ء) میں شائع ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے ۱۹۹۴ء میں سامعین کے رجحان پر وگرام میں حیدرآباد میں پہلی دفعہ خاتون شعرا کا مشاعرہ ہوا تھا۔ اس وقت خاتون غزنیہ قریشی پروگرام انگریزوں کو تھے۔ ان کی خواہش پر نیر صاحب نے شہریت کی تھانہ شاعرات کے علاوہ بعض نئی شاعرات کو مدعو کرنے کے سلسلے میں اپنا مکمل تعاون دیا تھا انجم خمر سوز نے اور عذرا سعید نے نئی شاعرات کی حیثیت سے خوب داد دیا جو تھی۔ مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے کی تھی۔ ماہنامہ خاتون دکن سے وابستگی کے بعد انگریز خاتون دکن ان کی بہن صالحہ الطاف کی مشاورت نے ان کے ادبی سفر میں اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً تمام کتابوں پر ملک کی اردو اکیڈمیوں نے انعام سے نوازا ہے۔ ان کے پاس عملیہ و غیر عملیہ مشاعرہ دونوں کی بھی فہرست ہے۔ صلاح الدین نیر اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہیں تلگو کو سیملین میں پڑھا ہے حکومت کی جانب سے ہر کہ تلگو ادب اور ان کی جانب سے ہر خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔ ایسے کو سیملین میں ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی زیادہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ راج بھون کی تقریباً تمام ادبی، تہذیبی، ثقافتی کے علاوہ جشن آزادی وغیرہ تقاریب میں مدعو رہتے ہیں۔ ہر دور کے حکومت کے مصروف اور اعلیٰ عہدیدار سرکاری تقاریب میں مدعو کیا کرتے ہیں۔ تسمانیہ (آسٹریلیا) ریڈیو سے شریعتی شانتا مورٹی نے ۱۲ دسمبر ۱۹۹۹ء کو صلاح الدین نیر کی غزلیں سنائیں۔

تلگو کے انقلابی شاعر نکلیشور کے مجموعہ کلام ”پیارو سال کا شاہد میرا شہر“ کی رسم اجرا انجام دی۔ رسم اجرا تقریب اردو گھر میں ہوئی تھی۔ دکن کرائسکل کی اشاعت، ہر فیروزہ ۱۹۹۴ء میں شریعتی منجوشری (سب ایڈیٹر دکن کرائسکل) نے انگریز شائع کیا۔ ہندوئی طلب میں مسٹر شری نرائن سوادھیں، سب ایڈیٹر طلب نے ۱۴ فروری ۱۹۹۵ء انگریز شائع کیا۔

کرنالنگ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام چنگو پہ (معین آباد) میں ۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء کو  
 جناب صلاح الدین نیر کی صدارت میں کل ہند مشاعرہ ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو بکسر گہ کی  
 جانب سے منعقدہ کل ہند مشاعرہ کی بھی صدارت کی۔ ان دونوں مشاعروں کی صدارت  
 کے لئے غالباً جناب عبداللہ اور محب کوثر کی دلچسپی کو بڑا دخل رہا ہے۔ ناقدانہ کے  
 کل ہند مشاعرہ کی بھی صدارت کی۔ (پروفیسر فہیم صدیقی کا فرما رہے)۔ سنٹرل لائبریری  
 کھنم کی جانب سے ۲ نومبر ۱۹۸۲ء کو کے ممتاز شاعر ڈاکٹر داسرہی کے ساتھ ساتھ  
 صلاح الدین نیر کا بھی سہماں کیا گیا۔ شکر شاد دہلی، ڈاکٹر آل انڈیا ریڈیو دہلی  
 کے مشاعرے کے علاوہ عالمی اردو کانفرنس دہلی کے مشاعرے میں شرکت کی۔ آل انڈیا  
 ریڈیو دہلی کے مشاعرہ میں، ڈاکٹر آل انڈیا ریڈیو جناب زبیر رضوی نے جناب صلاح الدین  
 نیر اور راشد کو مدعو کیا تھا۔ فخر الدین اعلیٰ احمد میموریل کمیٹی نے ”یہ کیسا  
 رشتہ ہے“ اور ”کیا کیا جائے“ کے لئے گرانٹ منظور کی۔ ڈاکٹر کشمیر ریڈیو جناب  
 کبیر احمد کی ادب نوازی کی وجہ سے کشمیر ریڈیو سے کلام کے علاوہ ڈاکٹر صادق نقوی  
 کا لکھا ہوا تبصرہ ”صلاح الدین نیر فن اور شخصیت“ شائع ہوا۔ اور ان کا کلام  
 ممتاز کاروں نے سارے پیر پیش کیا۔

حیدر آباد میں مہنا آباد سے آنے کے بعد پہلی سکونت محلہ میری اللوہ  
 (گھانسی بازار) میں رہی۔ پھر مغل پورہ میں کرایہ کے مکان میں رہے۔ پھر بازار  
 روپ لال (سید علی چیموٹرا) میں اپنے ذاتی مکان میں رہے۔ گزشتہ (۸) برس  
 سے اپنے ذاتی مکان ملے پٹی میں رہتے ہیں۔ ان کے تمام بچوں کے تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑا  
 لڑکا شمس الدین عارف ایم۔ بی۔ سی (علیگڈھ) ریاض کی ایک کمیٹی میں منبج رہے۔

دوسرا لڑکا سراج الدین سلیم کا ذاتی پیلر پوسٹ بزنس ہے۔ تیسرا لڑکا منہاج الدین  
خسرہ ایک ورکشاپ کا مالک ہے۔ چوتھا لڑکا سعودی عرب مکہ میں ملازم ہے۔  
حیدر آباد میں اردو، ہندی، ملے جملے مشاعروں کو رواج دینے میں صلاح الدین نیر  
کے ساتھ ساتھ نہپال سنگھ ورمابھی سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔  
صلاح الدین نیر کی ادبی سرگرمیوں، تصنیفات وغیرہ کی تفصیل اس  
طرح ہے۔

نام: صلاح الدین نیر۔ والد کا نام: الحاج محمد شمس الدین (خطیب جامعہ مجیدہ تعلقہ ٹھٹھانہ)  
مقام پیدائش: تعلقہ ٹھٹھانہ آباد۔ ضلع بیدل شریف جس کا تعلق ریاستوں کی تقسیم (۱۹۵۶ء) سے پہلے  
حیدر آباد سے تھا۔

تاریخ پیدائش: ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء

آیا و اجداد: زمیندار و تجارت پیشہ۔

حیدر آباد میں سکونت: ۱۹۵۸ء سے، یہ سلسلہ اعلیٰ تعلیم حیدر آباد آئے تھے۔  
اپنے ذاتی مکان نمبر ۸۲۴/۷-۳-۱۱، جدید ملے پٹی ہا سٹم گراؤنڈ میں مقیم ہیں۔

فون نمبر: ۲۲۵۵۱۵

تعلیم:- میٹرک (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) پوسٹ گریجویٹیشن (عثمانیہ یونیورسٹی)  
اردو عالم، اردو فاضل (ادارہ ادبیات اردو) مثنوی فاضل (جامعہ نظامیہ)  
ادیب کامل۔ (جامعہ اردو علی گڑھ)۔

مطبوعات:- مجموعہ کلام۔ کل تازہ (۱۹۶۵ء)۔ زخموں کے سلاب (۱۹۶۲ء)  
صنم تراش (۱۹۶۸ء)۔ شکن در شکن (۱۹۶۹ء)۔ خوشبو کا سفر (۱۹۸۳ء)

رشتوں کی مہک (۱۹۸۷ء) - سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) - یہ کیسا رشتہ ہے

(۱۹۹۰ء) - کیا کیا جائے (مجموعہ کلام) (۱۹۹۴ء) -

نثری مطبوعات: سلسلہ پھولوں کا (خودنوشت سوانح ۱۹۹۲ء) -

پھر وہی پر چھائیاں (مضامین، خاکے، سفرنامے وغیرہ ۱۹۹۳ء) - قافلے یادوں کے

(المیہ تحریریں ۱۹۹۳ء) -

تالیف :- عظمت عبد القیوم - فن اور شخصیت (۱۹۸۸ء)

عظمت خیاباں (عظمت عبد القیوم - مضامین، انیسائے، شعاری ۱۹۸۸ء)

صلاح الدین نیر سے متعلق کتابیں :- قافلہ چلتا رہے گا - صلاح الدین نیر

فن اور شخصیت (۱۹۹۲ء) - (از صالحہ الطاف رڈا کٹر ماہرہ سعید) نیر گیتا لو -

(۱۹۹۵ء) (کل تازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ) مترجم شمس الدین کوٹلی

رتن لین کا رہیرالال موریا) -

اعزازات :-

۱۹۷۳ء اتر پردیش اُردو اکیڈمی

۱۹۸۰ء آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی

۱۹۸۲ء اتر پردیش اُردو اکیڈمی

بھارت اُردو اکیڈمی، آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی

۱۹۸۷ء اتر پردیش اُردو اکیڈمی - بھارت اُردو اکیڈمی

۱۹۸۷ء اُردو اکیڈمی، آندھرا پردیش

۱۹۹۰ء مغربی بنگال اُردو اکیڈمی - آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی

”زخموں کے کتاب“

”شکن در شکن“

”خوشبو کا سفر“

”رشتوں کی مہک“

”سفر جاری ہے“

- "یہ کیسا رشتہ ہے" اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش ۱۹۹۰ء
- "کیا کیا جائے" اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش ۱۹۹۶ء

### شعری، ادبی و تہذیبی خدمات کے اعتراف میں اعزازات

- ۱۔ پونٹری ایوارڈ - آندھرا پردیش کچلر اسوسی ایشن سکریٹریٹ ۱۹۹۷ء
- ۲۔ پونٹ آف انٹرنیشنل ایوارڈ - ضلع گرندھالیہ سمیتھا کھم ۱۹۸۲ء
- ۳۔ یونیٹ ایوارڈ - یونائیٹڈ ہندو مسلم فرنٹ حیدرآباد ۱۹۸۵ء
- ۴۔ نیشنل انٹیکریشن ایوارڈ - بھارتیہ کچلر اکیڈمی آندھرا پردیش ۱۹۸۸ء
- ۵۔ شان حیدر آباد ایوارڈ - حیدرآباد آرٹس اینڈ کچلر سوسائٹی ۱۹۸۸ء
- ۶۔ قلی قطب شاہ ایوارڈ (مونٹو) اولڈ سٹی یہ تھ تھیٹریل ۱۹۹۰ء
- ۷۔ مشاعرہ دکن ایوارڈ (مونٹو) مجاہد آزادی کوئڈہ لکشنن بالوچی ۱۹۹۰ء
- ۸۔ مشاعرہ دکن ایوارڈ (مونٹو) \* \* \* ۱۹۹۱ء
- ۹۔ فخر الدین علی احمد قوی بکھتی ایوارڈ ۱۹۹۱ء
- ۱۰۔ جیمس آف حیدرآباد ایوارڈ ۱۹۹۲ء
- ۱۱۔ تاسیس آندھرا پردیش گورنمنٹ ایوارڈ (کوئی سمینٹن) ۱۹۹۴ء
- ۱۲۔ بسٹ پونٹ ایوارڈ - شاہانہ ایجوکیشن اسکیم - گوکھنڈہ ۱۹۹۴ء
- ۱۳۔ نیشنل یونیٹ ایوارڈ - (انیکتا میں ایکتا) ۱۹۹۵ء
- ۱۴۔ تلگو ریورسٹی نے اُردو شعری خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۱ء ایوارڈ دیا۔ یہ ایوارڈ آندھرا پردیش میں پہلی بار اُردو شاعر کو ملا۔



## مشاعروں کے سلسلے میں بیرون ملک کے دورے :-

- ۱۔ جدہ میں مشاعرہ (حیدرآباد کے ۴۰۰ سالہ تقاریب ۱۹۹۰ء) جدہ میں مشاعرہ ۱۹۹۲ء
- ۲۔ دوحہ، قطر میں مشاعرہ (۱۹۸۸ء)۔ ریاض میں مشاعرہ (۱۹۹۰ء)۔ کویت میں مشاعرہ ۱۹۹۱ء۔ جدہ میں مشاعرہ ۱۹۹۲ء

• زائد از ۳۵ سال سے کل ہند مشاعرے میں پڑھ رہے ہیں۔ زائد از ۵۳ سال سے آل انڈیا ریڈیو سے کلام سناتے ہیں۔ دور درشن کے ریاستی پروگرام کے علاوہ نٹ ورک (قومی سطح) کے مشاعرے پڑھتے رہے ہیں۔

**ادبی سرگرمیاں:** ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام ادبی رسائل میں گزشتہ ۳۲ سال سے کلام شائع ہو رہا ہے۔

- اردو مجلس (انجمن ترقی اردو آذربائیجان) کے ۱۸ برس تک جنرل سکریٹری رہے۔
- سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے ۲۷ سال (۱۹۶۹ء سے) بانی سکریٹری ہیں۔
- سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے ادبی رسلے کے مدیر رہ چکے ہیں (اس سے پہلے سکریٹریٹ میں کوئی اردو سالہ شائع نہیں ہوا)۔
- نرم سعدی کے قیام (۱۹۵۹ء) کے بانی سرگرمی مند ہیں۔
- محفلِ خواتین کے اُس کے قیام کے زمانے ۱۹۷۰ء سے مشیر ہیں۔
- ایک ادبی رسالہ (ماہنامہ نخلوت دکن ۱۹۶۲ء) کے دس برس تک مدیر اعزازی رہ چکے ہیں۔
- اتحاد الشعراء (۱۹۶۰ء) کے معتمد عمومی رہ چکے ہیں۔

- برہنہ جیون (۱۹۶۰ء) کے معتمد رہ چکے ہیں۔
- روزنامہ سیاست سے یہ زمانہ طالب علمی ۱۹۵۹ء سے وابستہ ہیں۔ (شعبہ شاعری کے انچارج میں)۔
- قیام ادبی ٹرسٹ (۱۹۶۶ء) سے پی آفس سکریٹری کی حیثیت سے تاحال اغراضی کام کر رہے ہیں۔
- ادارہ شعرو حکمت کے گزشتہ (۲۷) برس سے معتمد عمومی ہیں۔
- تلگو یونیورسٹی میں اردو ایم۔ اے کورس کے سلسلے میں بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن ہیں۔
- دیارِ ادب کے گزشتہ دس برس سے مشیر ہیں۔
- انجمن ترقی پسند مصنفین کے احیاء کے وقت ۱۹۸۷ء کے بعد ۵ سال تک شریک معتمد رہے ہیں۔
- میرا شہر میرے لوگ، گزشتہ (۷) برس سے بانی سکریٹری ہیں۔
- شاعرہ نوکن کے (۱۹۸۹ء) سے بانی سکریٹری ہیں۔
- ۱۹۹۳ء سے اردو اکادمی آندھرا پردیش کے رکن ہیں۔
- جشن گوگندھ سوسائٹی کے قیام (۱۹۹۹ء) ہی سے شریک معتمد ہیں۔
- ایوانِ پرنس معظم جاہ شہنشاہ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ (۱۹۹۴ء)۔
- شکرہ جی میموریل سوسائٹی کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعروں کے ۱۵ برس تک معتمد رہے ہیں۔
- ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے سلسلے میں ان کی وابستگی ۳۰ برس۔
- حسبِ ہدایت سکریٹری ترقی

• نندہ دلالن حیدر آباد سے ۱۹۶۶ء سے وابستہ ہیں۔ گزشتہ ۶ برس سے پروگرام کمیٹی کے کنوینر ہیں۔

• 'شکوہ' (طنز و مزاحیہ رسالہ) کی مجلسِ ادارت میں گزشتہ ۵ برس سے شامل ہیں۔

• زمانہ طالب علمی بی۔ اے۔ ال (اردو ادبیات) اور بی۔ اے۔ (اردو ادبیات) (۱۹۵۹ء) میں

مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔

• آخری اردو فیسٹول (۱۹۶۶ء) میں بلا مقابلہ کنوینر و محمد شاعر منتخب ہوئے۔

• روزنامہ نظام گزٹ سے (۱۹۵۹ء) میں وابستہ رہے (ہفتہ داری اشعار کا انتخاب)

• اولڈ سٹی یوتھ فیسٹول کے جنرل سکریٹری (شعبہ اردو) رہے۔

• تقریباً تمام صدور جمہوریہ ہند کو کلام سنا چکے ہیں۔

• حکومت آندھرا پردیش کے اکثر ادبی و تہذیبی پروگراموں میں انکی شہادت شامل ہے۔

• ایم۔ اے۔ ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے طلباء کے مقابلوں کے سلسلے میں تعاون

کیا کرتے ہیں۔ کچھ نئے اور کچھ پرانے شاعروں کو کبھی مشورہ سخن دیا کرتے ہیں۔

• شہر کی ادبی انجمنوں، میل شہر میرے لوگ، دیارِ ادب کے ادبی مذاکروں

کے بانیوں میں سے ہیں۔

• شہر کے بھیانک فسادات (۱۹۹۲ء) کے دوران دور درشن سے

ایمر جنسی حالات کے سلسلے میں امن کے لئے پیام دیے چکے ہیں۔

• مختصر یہ کہ گزشتہ ۳۵ برس سے زندگی کا بڑا اردو زبان،

اردو شعر و ادب کی سرگرمیوں میں گزر رہا ہے۔ ••

## فیضانِ رسولؐ جاری ہے

(مکہ و مدینہ کی زیارت اور عالمی مشاعرہ)

یہ بات کوئی دو سال پہلے کی ہے کہ جدہ کی ایک مخلص ترین، سرگرم عمل حرکیاتی شخصیت، عارف قریشی نے جدہ سے فون پر کہا تھا کہ ”نیر بھائی! تیار ہو جائیے۔ آپ کو جدہ آنا ہے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی سرزمینِ پاک ایسے ہی لوگوں کو قبول کرتی ہے جن کے لئے بلادِ آتا ہے۔“ سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ”انشاء اللہ اب کی بارہ مشاعرہ دکن“ ہو گا۔ کوشش جاری ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے مجھے عالمی مشاعروں کے سلسلے میں تین دفعہ جدہ جانے کا اتفاق ہوا۔ پہلی دفعہ ۱۹۹۰ء میں ۲۰ سالہ حبش حیدر آباد تقاریب کے سلسلے میں۔ دوسری دفعہ ۱۹۹۲ء میں عالمی مشاعرہ کے سلسلے میں (جو زیرِ اہتمام انڈیا ویلفیر سوسائٹی منعقد ہوا تھا) عارف قریشی کی شخصی مجلس کی وجہ سے انڈیا ویلفیر سوسائٹی کی جانب سے ۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء کو عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔

۱۹۹۲ء میں منعقدہ مشاعرہ میں ہندوستان کی رہنے والی ممتاز شخصیتوں

نہ شرکت کی تھی جس میں ملک کے گیارہ نامور شاعر بھی شامل تھے۔ حیدرآباد سے امیر احمد خسر، صلاح الدین تیر اور رئیس اختر نے شرکت کی تھی بشاعر کے افتتاح کے لئے میرے مشورہ پر ممتاز قاتون ڈال بہر مہر دار علی خاں کو مدعو کیا گیا تھا۔

۴۰ سالہ جشن حیدر آباد تعاریب میں حیدر آباد کی نامور شخصیتوں میں عابد علی خاں مدیر سیاست، سلطان صلاح الدین اولیسی صدر مجلس ہند مجلس اتحاد المسلمین، ہاشم علی اختر رئیس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جناب محبوب حسین جگر کے علاوہ کچھ اور ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔ شاعروں میں صلاح الدین تیر، ڈاکٹر موہن لال بنگم، علی الدین نوید، حمایت اللہ، مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوندیری، بوگس حیدر آبادی اور صبغت اللہ بھاٹ شامل تھے۔

۱۹۹۲ء کے مشاعرے کے بعد میں نے عارف قریشی کو مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ آئندہ مشاعرہ کرنا چاہتے ہوں تو مشاعرہ دکن کیجئے جس میں صرف حیدر آباد کے شعرا مدعو رہیں تاکہ وہ مشاعرہ کے بہانے طوافِ خانہ کعبہ (غز) اور دربارِ مصطفویٰ میں حاضری دے سکیں۔ مشاعرہ دکن کے لئے حیدر آباد کے ۱۰۰ شاعروں کو مدعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ عارف قریشی نے جامعہ عثمانیہ کی پلانٹیم جوئی تعاریب کے موقع پر بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے دو روزہ تعاریب (ادبی اجلاس و مشاعرہ) کا خاکہ تیار کر کے کام شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی طے پایا تھا کہ حیدر آباد سے ہاشم علی اختر، نواب شاہ عالم خاں، ڈاکٹر

سید عبدالمنان، ملا ریڈی وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ، ذرا بد علی خان اور خلیل الرحمن ایم۔ بی کو مدعو کیا جائے۔ مشاعروں میں صلاح الدین نیر، رئیس اختر کے علاوہ کچھ اور نام پیش نظر تھے۔ ہر طرف تو فضل جنرل انڈین ایمپرسی سے اجازت لیتی باقی تھی۔ تقاریب کی تیاری آخری مراحل میں داخل ہوئی تو جدہ میں مقیم دو تین اصحاب نے بزم عثمانیہ جدہ کے مقابل ایک نئی انجمن بزم عثمانیہ جدہ کے نام سے قائم کر کے تو فضل جنرل جدہ سے خواہش کی کہ وہ اپنی نوازاۓ بزم کو تقاریب منعقد کرنے کی اجازت دیں ان لوگوں کی یہ جاداخلت سے سزا عہ پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے بات مزید آگے نہ بڑھ سکی۔ نتیجتاً دونوں انجمنوں کے ذمہ داروں کو اجازت سے محروم کر دیا گیا۔ اس فیصلہ نے عارف قریشی کو زبردست <sup>نقار</sup> پہونچایا۔ ان کا کافی رویہ خرچ ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ پھر تازہ دم ہو کر ۱۹۹۶ء میں سرگرم عمل ہو گئے اور عالمی مشاعرہ کے انعقاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت بھی بقول عارف قریشی، حیدرآباد کے بعض کرم فرماؤں نے رکاوٹ بننے کی ناکام کوشش کی لیکن عارف قریشی اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ شاندار پیمانے پر مشاعرہ ہوا۔ انتظامیہ کی جانب سے مشاعرہ کی تاریخیں بدلتی رہیں۔ بالآخر ۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کہ مشاعرہ کی قطعی تاریخ مقرر ہوئی۔ مخفی مباد کہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو جدہ میں ہندوستانی قونصلٹ جنرل کی جانب سے عالمی مشاعرہ ہونے والا تھا لیکن کوئی وجہ ظاہر کئے بغیر وہ مشاعرہ اچانک ملتوی ہوا۔ اس مشاعرے

کے انعقاد میں جناب اوصاف سعید (فرزند ممتاز افسانہ نگار عوض سعید مرحوم) قونصل حج کی دلچسپی کو بڑا دخل تھا۔ حیدرآباد سے اس مشاعرہ میں صلاح الدین نیسپر بھی مدعو تھے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کو انڈیا ویلفیر سوسائٹی جدہ کی جانب سے جناب عارف قریشی کی سرکردگی میں عظیم الشان میلے پر عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔ حیدرآباد سے اس مشاعرہ میں رئیس اختر اور صلاح الدین تیر نے شرکت کی۔ یوپی کے شاعروں میں بیکل اتساہی، نواز دیوبندی، ادراپا پور میرٹھی مدعو تھے۔ تفلین حیدر (کلکتہ) ناظم مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ کے سلسلے میں عارف قریشی کو قونصل حج جدہ، جناب ذکر الرحمن کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ عارف قریشی اور ان کے رفقاءے کار عتیق الزماں، اقبال اشرف قدوائی، عبداللطیف پرویز، جمال، اقبال خاں، عشرت حسین صدیقی، سید عبدالعظیم اور مظہر الشمس پیش پیش رہے۔

عارف قریشی نے عمرہ دینا کی ساری ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ مدعو شعرا سے ٹیلیگرام، خطوط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رابطہ رکھا گیا۔ ایک ماہ کے درمیان عارف قریشی نے بیسیوں فون کئے۔ ان کے فون اکثر دفعہ رات کے ایک دو بجے کے درمیان آتے تھے۔ کبھی کبھی وہ گھر اور سیاست "آفس" بھی فون کرتے تھے۔ صورتحال سے واقف کر داتے اور واقف ہوتے رہتے تھے۔ میں نے متعلقہ شعراء سے پاسپورٹ منگوا لئے۔ ویزے کی ساری ذمہ داری آل لیبین ٹراویل ایجنسی کے خوش اخلاق شریف النفس مالک

محمد غوث نے قبول کی۔ بغیر کسی الجھن کے مشاعرہ کی مقررہ تاریخ سے قبل  
 وینہ مل گئے۔ میں اور رئیس اختر مشاعرے سے ایک دن پہلے بمبئی سے جدہ  
 جانا چاہتے تھے لیکن عارف قریشی کی خواہش پر ہم ۲۱ ستمبر کو دلی پہنچے۔ دلی  
 میں جناب بیگلہ اتساہی کے ہمان رہے۔ ایسا انتظام عارف قریشی نے کیا تھا۔  
 مشاعرہ میں جب اپنی شرکت یقینی ہو گئی تو عمرہ (طوافِ خلابہ کعبہ)  
 اور مدینہ منورہ میں بارگاہ رسالت مآبؐ میں پہنچنے کی دل میں خواہش پیدا  
 ہوئی۔ بارگاہِ نبی الخرت میں سر پہ سجود ہوا۔ رسولِ پاکؐ کی کرم نوازیوں کو  
 دلی و لطمہ میں بٹھا کر کیف اور کیفیات سے گزرتا رہا۔ مجھے یقین واثق ہو چلا  
 ہے کہ میں نبی کریمؐ کی نظروں میں ہوں۔ خدا مجھ پر پوری طرح مہربان ہے۔ ایک  
 مسلمان کے لئے اس سے بڑی کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ  
 کی سرزمین پر موجود رہے۔

مشاعرہ کی تاریخ کا تعین ہونے کے بعد میں نے اپنے خاص خاص  
 دوستوں کو مشاعرہ میں مدعو کئے جانے کے بارے میں بتلایا۔ اخبارات میں  
 مشاعرہ میں شرکت کی خبریں شائع ہوئیں۔ حیدرآباد سے روانہ ہونے سے  
 پہلے میرے شاعر دوستوں قاضی انجم عارفی، پرنس شہامت جاہ، مومن خاں شوق  
 منان منظور، ڈاکٹر آبی، افضل تسلیم، شفیع اقبال اور ساقی ایوبی نے امام غزالی



باندھے اور پھونسی کی۔ جگجیون لال استھانہ سحر اور بشیر احمد نے بھی چکڑی سی کی۔ میری منہ بولی  
 صالحہ الطاف، ڈاکٹر صاحبہ سعید، انیس قیوم فیاض اور منظر النساء آڑے فون پر مبارکباد  
 دی۔ روانٹی سے ایک دن پہلے ایک بھین شمشاد نے بھی امام ضامن باندھا۔ روانہ  
 ہونے سے عین قبل میری بیٹیوں، بہوؤں نے بھی امام ضامن باندھا۔

اخبارات کے ذریعہ مشاعرہ میں ہماری شرکت کی اطلاع پا کر مجھ اور  
 احباب اور رشتہ داروں نے مسرت کا اظہار کیا۔ میرے دیرینہ شاعر دوست  
 نانک سنگھ نشتر نے فون پر کہا کہ آپ ایک مقدس مقام (مکہ مدینہ) بھی جا رہے  
 ہیں اسلئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کو اور رئیس اختر کو اپنی ساری عمر اور فٹ  
 پر چھوڑ دوں۔ اس طرح ایک اور شاعر دوست جگجیون لال استھانہ سحر نے بھی  
 خواہش کی تھی، لیکن میں نے اُن سے معذرت چاہی چونکہ نشتر صاحب سے پروگرام  
 بن چکا تھا۔ نشتر صاحب پر بے صبر میرے گھر آئے۔ تب تک رئیس اختر بھی  
 آچکے تھے۔ ایر پورٹ پر صلاح الدین تیر، رئیس اختر کے فرزندوں نے بھی خدا  
 حافظ کہا۔

۲۱ ستمبر کی صبح ۹ بجے کی فلاٹ سے ہم دلی کے لئے پرواز کو گئے۔ شہر  
 محبت حیدر آباد کو چھوڑنے سے قبل میں نے چاروں طرف اپنی نگاہیں دوڑائیں  
 بعض مقامات پر نگاہیں جم گئیں۔ اپنی زمین کی خوشبوؤں سے لٹی ہوئی مٹی کو

میں نے چھوڑا اور اپنا وداعی سلام کیا۔

عارف قریشی کی خواہش پر دلی میں ہم جناب بیگلر اساہی کے مہمان رہے  
دلی میں دو روزہ قیام کے دوران ہم نے نظام الدین اولیاء اور حضرت امیر خسرو کے  
دربار میں حاضری دی۔ بڑا سکون ملا۔ بزرگان دین کے قدموں میں بیٹھنے سے بھی  
بڑا سکون ملتا ہے۔

۲۱ ستمبر کی شام دلی میں مقیم اپنے حیدر آبادی قدیم دوست ممتاز  
محقق، نقاد، ادیب و شاعر جناب ابوالفیض سحر ہم سے ملنے کے لئے آئے۔ اپنی موٹر  
میں بٹھایا اور دلی کی سیر کروائی۔ نئی پرانی بہت سی باتیں رہیں۔ جی کھول کر اپنی  
سرگزشت حیات کا ایک ایک ورق اُٹایا گیا۔

۲۲ ستمبر کی شب نواز دیوبندی، پاپٹر میرٹھی اور ثعلین حیدر بیگلر اساہی  
کا دہائش گاہ واقع رنج مارگ (نئی دہلی) پہنچ گئے۔ ۲۳ ستمبر کی صبح ۸ بجے  
صلاح الدین نیر کی رہنمائی میں شعراء کا قافلہ جدہ کے لئے روانہ ہوا۔ ہرالم گھنٹہ  
کی مسافت طے کرنے کے بعد ہندوستان کے وقت کے مطابق ۱۲ بجے دن جدہ  
پہنچے۔ رئیس اختر کی اور میری نشست ساتھ ساتھ تھی۔ دوران سفر اپنی اور  
بہنو بہنوں کی باتیں رہیں۔ نہایت اطمینان کے ساتھ سفر جاری رہا۔ جب ہم  
دلی۔ جدہ جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے تو بیگلر اساہی نے ہم دونوں کو

مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ دونوں حیدر آبادی، اپنی پوری تہذیبی شناخت کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ شاعرانہ لباس (شیروائی۔ پاجامہ) زیب تن کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ دونوں شاعرانہ روایت کے ساتھ ساتھ حیدر آباد کے کلچر کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ جڈہ انٹرپرائز پر عارف قریشی کے علاوہ ان کے رفقاء کار عتیق الزماں، اقبال خاں، عبداللطیف، پیر حنیف احمد، اقبال اشرف قدوائی، نے یرتیاک خیر مقدم کیا۔ ہم تمام شاعروں کو عارف قریشی اپنے گھر لے گئے ہمارا قہقہہ قیام رہا۔

۲۳ ستمبر کی شب تو نصل حج جناب ذکر الرحمن نے اپنی رہائش گاہ پر ہمیں مدعو کیا۔ پریس کانفرنس کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس کے بعد ایک پُر تکلف ڈنر ترتیب دیا گیا۔ مقامی اخبارات کے رپورٹر موجود تھے۔ ہم شاعروں کا انٹرویو لیا گیا۔ اردو مسائل پر گفتگو رہی۔ ہم نے (صلاح الدین تیر، رئیس اختر) حیدر آباد میں اردو مسائل اور خاص طور پر عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ریورسٹام متفقہ کیے جانے والے اردو دانی، زبان دانی اور انشاء کے اٹھانے کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ریاست آندھرا پردیش میں اردو کے مسئلہ پر حکومت کی کا کردگی کے بارے میں بتلایا۔ ہمارے تاقرات انٹرویو کی شکل میں مقامی اخبارات میں شائع ہوئے۔

۲۴ ستمبر کو یلغ کے بعد انڈین ایمپسی کی موٹر میں ہم لوگ نہایت خستہ و خضر کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں انڈین ایمپسی کے گیڈٹ ہاؤس میں لایا گیا۔ طواف خانہ کعبہ کے بعد خدا سے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بہت کچھ مانگا۔ خانہ کعبہ سے دیر تک پلٹے رہے۔ آنسو بہتے رہے۔ ایسے عالم میں خازان کے ہم فرد، دوست و احباب سبھوں کی بہتری کے لئے خدا سے رحم و کرم کی بھیک مانگی۔ کاسہ تہی، خالی دامن کے بھر جانے کے لئے منت و سماجیت کی۔ حجر اسود کو پوجا دیا۔ سعی کی اس طرح عمرہ کی تکمیل ہوئی۔

۲۵ ستمبر کو نماز عصر کے بعد ہم جدہ واپس ہوئے۔ ۸ بجے شب ذہانت علی بیگ سے ملاقات کے لئے عارف قریشی ہمیں اردو نیوز کے دفتر لے گئے۔ ذہانت علی بیگ، عالم مسرت میں ہم سے بھگت ہوئے۔ اردو نیوز کے ایڈیٹر اور تمام اسٹاف سے فرداً فرداً ملوایا۔ ہم نے محسوس کیا کہ ذہانت علی بیگ ایک باوقار، ذمہ دار صحافی کی حیثیت سے اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ یہ بات مجھے اردو نیوز کے ادبی سیکشن کے انچارج اظہر ہاشمی نے بتائی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اخبار سیاست کا تربیت یافتہ ایک نوجوان صحافی اپنی عمدہ صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے تمام ساتھیوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ذہانت علی بیگ نے ہم دونوں (صلاح الدین نیر - رئیس اختر) کا اردو نیوز میں تفصیلی انٹرویو تحارف کے ساتھ شائع کیا۔ ہمارے اعزاز میں ادبی محفل کا اہتمام کیا گیا۔ جدہ ریڈیو سے شعر و ادب کا پروگرام ریکارڈ کروایا اور واپسی کے وقت تحائف سے نوازا۔

۲۵ ستمبر کو جڈہ ریڈیو (اردو سیکشن) کے سربراہ جناب محمد نسیم اللہ خاں نے انٹرویو لیا۔ ۲۵ منٹ کے ”آپ سے ملنے“، اس پروگرام میں صلاح الدین نے ایک حمد، ایک نعت اور تین غزلیں سنائیں۔ عابد علی خاں ایجوکیشن ٹرسٹ اور ریاست آندھرا پردیش کے اردو مسائل پر اظہار کیا۔ یہ پروگرام ۱۸ اکتوبر کو ۵ بجے شام ہندوستان میں شارٹ وے ۱۹ میٹر بیانڈ پر سنایا گیا۔ میرے بعد رئیس اختر کا کلام و انٹرویو ریکارڈ کیا گیا۔

اخبار سیاست کے قدیم ساتھی میر کرامت علی جو جڈہ میں گزشتہ بیس برس سے مقیم ہیں، امریکن کمپنی میں اچھے عہدہ پر فائز ہیں، جب بھی فون کرتے تو یہی کہتے کہ عمرہ کے لئے کب چلنا ہے۔ تھاضر ہو جاؤں گا۔

۲۵ ستمبر کو ہم نماز عصر کے بعد جڈہ واپس ہوئے۔ ۲۶ ستمبر کی شب احاطہ الدین ایبٹنی عظیم الشان عمارت پر عالمی مشاعرہ ہوا۔ جناب بیگلہ اتساہی حمد مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ میں جناب بیگلہ اتساہی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، نواز دیوبندی، پاپلہ میر تھی کے علاوہ میزبان شعراء اعتماد مدیقی، منور النساء منور، عرفان بارہ بنکوی، ناظم قدوائی، شاہد انور، حسن عسکری اور بھی فریدی نے اپنا بہترین منتخب کلام سنایا اور داد و تحسین حاصل کی۔ رئیس اختر اور صلاح الدین نیر عموماً کل ہند شعروں صرف ایک غزل ہی سنایا کرتے ہیں لیکن اس مشاعرے میں ہم قطعات، دو دو غزلیں سنائیں۔ زبردست داد و تحسین سے نوازا گیا۔ تمام شعراء کاتالیوں کی گونج میں خیر مقدم کیا گیا۔

مشاعرے کے کنوینر جناب عارف قریشی نے صدر مشاعرہ کے بعد مسرر  
 صلاح الدین نیر اور رئیس اختر کو بلوایا تالیوں کی گونج میں حیدرآباد کے  
 یہ دو شاعر شہر نشین پر پہنچے اور صدر مشاعرہ کے دائیں بائیں اپنی نشست  
 سنبھالی۔ مشاعرہ میں زائد از ایک ہزار خواتین و حضرات نے شرکت کی  
 مشاعرے کے بعد جناب سعید بن محسن باغزال، احمد الدین ادیسی، میر  
 کرامت علی کے علاوہ کچھ اور حیدرآبادیوں سے ملاقات رہی۔ وہ ہم سے  
 مل کر بہت خوش ہوئے۔ مشاعرے کے اختتام کے بعد کافی دیر تک  
 ہم مشاعرہ گاہ میں ٹھہرے رہے۔ آلو گراف کا سلسلہ چلتا رہا۔ واقعہ  
 نادائق کئی حیدرآبادیوں سے ملاقات ہوئی۔ حیدرآبادیوں کی اس بھیڑ  
 میں وہ حیدرآبادی دکھائی نہیں دیے جو ایسے مواقع پر پیش پیش رہا  
 کرتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر کو دن بھر ہم نے آرام کیا۔ حیدرآباد کے شاعر  
 اعتماد صدیقی، مہتاب قادر اور مفور النبیاء متوہ ہم سے ملنے کے لئے  
 آئے۔ شہر کی ایک اچھی ہوٹل میں منتظمین مشاعرہ نے عشاء دیا۔  
 ۲۸ ستمبر رات کے بعد انڈین ایکسی کی کار میں ہم مدینہ کے لئے روانہ  
 ہوئے۔ جیسے جیسے سرزمین پاک مدینہ متورہ کے قریب کا احساس  
 بڑھتا جا رہا تھا ہم ایک خاص کیفیت سے گزر رہے تھے۔ جدہ سے  
 مدینہ کی مسافت ذریعہ کارم کی گھنٹے ہے۔ ہم جیسے ہی مدینہ میں داخل  
 ہوئے ہٹاری لگا ہیں گنبدِ خضر کے دیدار کے لئے بے قرار رہیں۔ مدینہ  
 بھی مکہ کی طرح روشنیوں کا شہر ہے۔ قیوض و برکات کا شہر ہے۔

ہر طرف اُجالا ہی اُجالا ہے۔ کس قدر منور شہر ہے یہ! ہم نے مدینہ جاتے ہوئے ان پہاڑوں پر بھی نظر ڈالی جس پر سے خدائے واحد کا نام لینے والے اور نبی کریمؐ کی محبت میں سرشار لوگ گزرتے رہے۔ ان ہی پہاڑوں اور راستوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے بڑی بڑی خلیں بڑی تھیں۔ ان ہی راستوں سے خدا کے رسولؐ نے مکہ سے مدینہ کیلئے ہجرت کی تھی۔

جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تو اس وقت نماز مغرب کا وقت تھا۔ ہم نے مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس مسجد میں پڑھی جانے والی دو رکعت نفلِ عمرہ کے برابر ہے۔ نماز کے بعد ہم اندر میں ایسی کے گیسٹ ہاؤس پہنچے جو مسجدِ نبویؐ کے قریب ہی واقع ہے۔ ایسی کے اسٹاف نے ہماری خاطر داری میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں کی۔ میں مجھے سب مسجد کی نماز کے لئے چکایا گیا۔ پھر سب کے لگ بھگ ہم مسجدِ نبویؐ پہنچے۔ مسجدِ نبویؐ کے دروازے ہر لمحے جمع کھلے جاتے ہیں۔ گنبدِ خضرا کے بالکل سامنے ہم بیٹھ رہے دیدارِ گنبدِ خضرا کرتے رہے۔ ہم نے دیکھا کہ غلامانِ مصطفیٰؐ بھاگتے ہوئے مسجدِ نبویؐ میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ بالکل گنبدِ خضرا کی جالی کے قریب بیٹھ گئے۔ ان کی تقلید میں بھاگتے ہوئے ہم بھی گنبدِ خضرا کی جالی کے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد ہم نے نماز فجر پڑھی۔ سرورِ کائنات کے قدموں میں یہ چشمِ نم بیٹھ رہے۔ رحمت کی بارش ہوئی نہی۔ خالی دامن تھا، بھرتے رہے۔ بہت کچھ پایا، رسالتِ مآبؐ نے بہت کچھ دیا۔ نماز

کے لیے ہم جنت البقیع پہنچے۔ وہاں سے گیسٹ ہاؤز واپس ہوئے۔ کچھ دیر آرام کیا۔ ناشتہ کے بعد مدینہ شریف کے بعض اہم مقامات کے دیدار کے لئے نکلے لے جایا گیا۔ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھی۔ ظہر اور عصر کے درمیان کچھ شاپنگ کی۔ چائے نماز و تسبیح خریدی۔ کھجور اور کچھ اشیاء لے لئے۔ جب ہم سے مدینہ چھوٹ رہا تھا تو جی نہیں کرتا تھا کہ ہم مدینہ کو چھوڑ کر جائیں۔ کافی دیر تک رسول اللہ کی رحمتوں سے دامن مراد بھرتے رہے۔ سرور کائنات کے دربار میں ہم نے اپنا اپنے اہل خاندان اور اپنے احباب و اقارب کا آخری سلام پیش کیا۔ ۲۹ ستمبر کو بعد نماز عصر ہر بجے شام ہم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۲۹ بجے شب جدہ پہنچے۔ جیسے ہی ہم گھر پہنچے ہمارے ساتھی شعراء اپنے دوستوں کے ہمراہ چلے گئے۔ واپسی تک ان کا وہیں قیام رہا۔ عارف قریشی نے صلاح الدین نیئر اور رئیس اختر کو اپنے پاس رکھا۔ عارف قریشی اور ان کی بیگم صاحبہ نے اپنے بھائیوں کی طرح ہمارا خیال رکھا۔ ہر قسم کا آرام مہیا کیا تھا۔

۳۰ ستمبر کو حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیت سعودی عرب کے شہری جناب سعید بن محسن باغزال نے پُر تعلق عشائیہ دیا۔ عشائیہ سے قبل عارف قریشی اور عبداللطیف نے ہمیں شاپنگ کروائی۔ اس بجے کے قریب ہم سعید بن محسن باغزال کے ہاں پہنچے۔ باغزال صاحب مجلسی آدمی ہیں۔ خوش مزاجی ان کی فطرت کا ایک اہم جزو ہے۔ دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ شعر و ادب کے ساتھ قدیم حیدر آباد کی باتیں ہوتی رہیں۔ عابد علی خاں



محبوب حسین جگر صاحب اور اخبار سیاست کا تذکرہ دیر تک جاری رہا ایک بچے شب ہم نے باغزال صاحب سے اجازت لی۔

یکم اکتوبر کو شب تو نفل حج ذکر الرحمن نے نہایت پُر تکلف ڈنر دیا۔ جدہ کی منتخب شخصیتیں مدعو تھیں۔ ڈنر کے بعد مشاعرہ ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت جناب بیکل اتساہی نے کی۔ اس منتخب اور خالص ادبی مشاعرہ میں صلاح الدین نیئر اور رئیس اختر نے متفرق اشعار کے بعد دو دو غزلیں سنا کر مشاعرہ کی کیفیت ہی بدل دی۔ خوب خوب سراہا گیا۔ بیکل صاحب، نواز دیوبندی، پاپولر میرٹھی نے کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ جناب ثقلین حیدر ناظم مشاعرہ تھے۔ جناب ڈاکٹر ذکر الرحمن اور عارف قریشی نے شعراء اور ہمالوں کا خیر مقدم کیا۔ تین گھنٹے تک یہ محفل شعر و سخن جاری رہا۔ باذوق خواہین و حضرات نے شرکت کی۔ جناب سعید بن حسن باغزال نے مخاطب کرتے ہوئے خاص طور حیدر آباد کے شاعروں کی پذیرائی پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

۲ اکتوبر کو ۲ بجے جناب سعید بن حسن باغزال اپنی نئی مؤرخہ ۱۰۰ لاکھ ۵۰ ہزار (اندین کرسی) کی مالیت کی ہے۔ اس میں عارف قریشی کے گھر آئے۔ مجھے

اور رئیس اختر کو عمرہ کے لئے لے گئے۔ یہ ہمارا دوسرا عمرہ تھا۔ عمرہ کے بعد آخری طوافِ خانہ کعبہ کیا۔ نمازِ عصر کے بعد باجیشیم نم مسجد حرم سے باہر نکل آئے

۶ بجے شام جدہ پہنچے۔ کراستہ علی، رجبے شام گھر آئے۔ دو گھنٹہ تک جدہ میں کالیر کرائی۔ عارف قریشی نے اپنے دوست الطہر ہاشمی، انجارج اردو نیوز اور ادبی حیدر آباد کے جواں سال محافی سب ایڈیٹر اردو نیوز جناب ذہانت علی بیگ

کو عشائیہ پر مدعو کیا تھا۔ ہم لوگ عشائیہ کے بعد جانتے بھانتے کی قیام گاہ پہنچے جہاں ہمارے شعراء کے استقبال میں مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے میں پاکستان کے شعراء نے بھی کلام رُسنا یا۔ ہم نے یہ محسوس کیا کہ ہندوستان اور پاکستان کی شاعری میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ پاکستان کے شعراء نے بھی اچھا رنگ جمایا۔ ہم نے بھی حسبِ روایت کلام رُسنا کر مشاعرہ کو یادگار بنا دیا اور اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

۳۔ اکتوبر کو ہم وداع ہونے والے تھے۔ کرامت علی ہمارے ہمسفر رہے ہمارا ٹکٹ جدہ سے دلی، دلی سے حیدرآباد کا تھا۔ لیکن ہم جدہ سے دلی دلی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدرآباد جانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں عارف قریشی اور کرامت علی کی کوششیں رنگ لائیں۔

عارف قریشی کی کرم فرمائوں نے ایئر پورٹ کے تمام مراحل اپنی موجودگی میں طے کر دائیں۔ نہایت پُر سکون انداز میں مسکراتے ہوئے ہم کو خدا حافظ کہا۔ دل سے دعائیں نکلیں کہ عارف قریشی نے ہمارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ عارف قریشی نے ایسا احسان کیا ہے کہ اظہارِ تشکر کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ مشاعرہ تو ضمنی تھا۔ مشاعرے کے بہانے مکہ، مدینہ کی نعمتیں نصیب ہوئیں۔ ہم بغیر کسی الجھن کے ۲ بجے شب حیدرآباد پہنچے۔ واپسی کے سفر میں بھی رئیس اختر اور صلاح الدین نیئر کی نشست ایک ساتھ ہی تھی۔ حیدرآباد میں کسٹم سٹیشن پر نہیں رہا۔ ہم دونوں کی وی۔ آئی۔ پی۔ قسم کی شیردانیوں نے کسٹم آفیسر کو متاثر کیا۔ انہوں نے ہمارا سامان چیک نہیں کیا اور مسکراتے ہوئے ہمیں جانے کے لئے کہا۔

البتہ پیانگج کے حصول کے لئے دو گھنٹے لگے۔ چونکہ اُس پلین میں جدہ کے علاوہ ریاض، شاربہ، دوحہ قطر کے مسافروں کا سامان تھا۔ ایئر پورٹ پر رئیس اختر کے ایک عزیز سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہم دونوں کو گھر پر چھوڑ دیا، خیر و عافیت در یافت کرنے کے بعد اپنے نام آئے ہوئے خطوط پڑھے ۱۳ دن کے اخبار سیاست پر سرسری نظر ڈالی۔ اس کے بعد پھر وہی صبح و شام — ٹھیک ۱۰ بجے صبح سیاست آفس پہنچا۔ اس طرح ہمارا ۱۳ دن کا خوشگوار سفر اختتام کو پہنچا۔ ••

حیدر آباد کی میری زندگی، رشتوں کی دھوپ چھاؤں میں گزر رہی ہے۔ کچھ رشتے تو میری زندگی کے لئے جبر و کل کی حیثیت رکھتے ہیں، تو کچھ رشتے معطر فضاؤں کی طرح دل و جان کا حصہ بن چکے ہیں اور کچھ رشتے اپنی شناخت اور پہچان کے لئے معاشرے کی ریشمی ددری میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان تمام بننے سنوڑنے، ٹوٹنے اور یکپہرے رشتوں کے باوجود رشتوں کی جھک، رول بط کسی پاکیزگی، جذبات کی شائستگی، تقدس اور واردات قلبی کی ماہیت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ زندگی کے بعض ایسے روشن پہلو بھی ہوتے ہیں جن کی ایمائیت اور نشاندہی سے بھی انسانی رشتے لازوال ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض رشتے اپنی شناخت کے لئے اپنے ہی ماحول میں برسوں اپنی تلاش جاری رکھتے ہیں۔

## ”راج بھون“ گورنر آندھرا پردیش (جناب کرشن کا) اور صلاح الدین نیست

جس شخص کی ہر صبح کا آغاز سجدوں کی ابھرتی ہوئی دہلیزیں اذانوں اور مندروں سے گونجتی مدھم گھنگھریلوں کی آواز کے درمیان ہوتا ہو اور جس شخص کی شام، شفقِ لالہ زار اور جس کی شب کھکشاں کے سائبان تلے ہوتی ہو، اس کے شب و روز کا اندازہ لگانا ایسا سکتا ہے کہ وہ کن کن نعمتوں سے مالا مال ہے۔ جس شخص کے بہترین اوقات انسان کی بہترین سماج سدھارا اور معاشرے کے خدو خال کو سنوارنے میں گزرتے ہوں اُس کی انسان دوستی، صبرِ صادق کی مانند زرفشاں اور روزِ روشن کی طرح نور افشانی کا منظر ہوا کرتی ہے جو شخص نیکی کی راہ پر چلتے ہوئے بہت نئے مسائل کا خیر مقدم کرتا ہو، محبت شناسی کا درس دیتا ہو، احساسِ رواداری کو آئینہ نور کے مرحلوں سے روشناس کرتا ہو اُس کی زندگی سچا ہر لمحہ پیر میں گل کی طرح عطرِ بیز، فرحت افزا اور نئے موسم کی انگڑائیوں سے فیض یافتہ ہوئے گل تازہ کی طرح ہمکتا رہتا ہے۔ ایسے ہی بے شمار اعلیٰ خصوصیات کی حامل شخصیت جناب کرشن نہانت کی ہے۔

گورنر صاحب باذوق، شائستہ مزاج، ہنس مکھ، سادگی پسند انسان ہوتے کے علاوہ انسان دوستی اور محبت شناسی کے ایک ایسے پیکر ہیں جو سرتیں تقسیم کرنے اور راحتیں بانٹنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک عمر بھر، دانشور، بچے حب الوطن اور بنیادی طور پر انسانیت دوست کی حیثیت کے مالک ہیں۔ سماج کا ہر وہ شخص جس کی

مثبت اعلیٰ ہو کہ ادنیٰ اُس کا خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کا مزاج شائستگی، تفکّر، سادگی اور پُر وقار کیفیات کا مجموعہ ہے۔ کن کن خصوصیات کا ذکر کیا جائے۔ گورنر صاحب کی توصیف میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

گورنر صاحب سے راج بھون میں مجھے پہلی مرتبہ جناب عابد علی خاں پیر سید کی معرفت نیاہ حاصل ہوا۔ اُس کا دی کی ایک تقریب تھی۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کی مشاورت سے تلگو، اردو، ہندی کے شعراء ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، صلاح الدین، نیپال سنگھ، درما، ڈاکٹر اندو وشنٹ مدعائے شکر تھے۔ ہم نے اُس کا دی کے موقع پر نظمیں سنائیں۔ اُس کا دی کی اس تقریب میں ریاستی چیف منسٹر سرین بنارہ ریڈی کے علاوہ تقریباً تمام وزراء، اعلیٰ عہدیدار، ممتاز قائدین اور مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی منتخب شخصتیں موجود تھیں۔ اس موقع پر گورنر صاحب نے شعراء کو شال اور ہا کر اُن کا شلمان کیا تھا۔ یہ بات ۱۹۹۱ء کی ہے۔

۱۹۹۱ء کے بعد سے میرے لئے راج بھون کے دروازے کھلے رہے۔

راجنی راج بھون میں وقتاً فوقتاً میرا آنا جانا شروع ہوا۔ گورنر صاحب کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جشن آزادی ہند، یوم جمہوریہ ہند، ہولی، دیوالی، اُس کا دی اور عید وغیرہ کا تقاریب کے موقع پر راج بھون میں شہر کے منتخب شہر لیول کو مدعو کیا کرتے ہیں۔ راج بھون کے خوبصورت دل دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والے سبزہ زار پر آراستہ ہر تقریب ایک یادگار تقریب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ مجھے ایسی ہر تقریب کے موقع پر مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ گورنر صاحب کی خواہش مختلف تقاریب میں اپنی نظمیں سناتا رہا ہوں۔ راج بھون کی فصائیں سے میری شائستگی

کی ایک اہم گٹری ڈاکٹر کے۔ ایل۔ گاندھی ہیں۔ گاندھی صاحب ایک شائستہ اور تہلیت  
مہذب انسان ہیں۔ گورنر صاحب کے قریب ترین رفیقوں میں سے ایک ہیں۔ (اگرچہ  
اپنی ملازمت کے اعتبار سے وہ گورنر صاحب کے پرسنل سکرٹری ہیں۔

اٹکادی کے موقع پر (۱۹۹۵ء) میں راج بھون میں ایک پروگرام ترتیب دیا  
گیا تھا۔ اس تقریب میں وزیر اعظم ہند مٹری۔ دی۔ ترسہارا اور بھی موجود تھے۔ اٹکادی  
کے شاعر کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ اٹکادی کے موضوع پر میں نے ایک نظم  
سنائی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میری نظم پسند کی گئی ہے۔ میں نے نظم سنانے سے  
پہلے مختصر تقریر کی تھی جس میں، میں نے کہا تھا کہ گورنر صاحب (جناب کرشن کانت)  
کے دور میں راج بھون، لسانی ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور ایسی بھائی چارگی کی فضا کو  
نوشکواری بنانے میں مرکزیت کا رول ادا کر رہا ہے۔ گورنر صاحب حیدرآبادیوں کے دل  
میں گھر کر چکے ہیں، شہر کی بہتری، انسانی رشتوں کے رموز و لکات پر گورنر صاحب کی گہری نظر  
ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہر کے ہر طبقہ میں گورنر صاحب قدر کی نگاہوں سے  
دیکھے جاتے ہیں۔ اس تقریب میں، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ خدا کرے کہ گورنر صاحب کی سرپرستی  
کا سلسلہ دراز ہو۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی تھی کہ گورنر صاحب کے عہدہ گورنری کی مدت  
ختم ہو چکی تھی۔ یہ بھی خدا کا کرم ہے کہ گورنر صاحب کی گورنری کی مدت ختم ہونے کے  
بعد بھی تقریباً اٹکادی ایک سال سے اپنی خدمات جلیلہ پرنائیں ہیں۔

گورنر صاحب کے دل میں میرے لئے بڑی جگہ ہے۔ انہیں اندازہ تھا کہ میں  
ہر موضوع پر شعر کہہ سکتا ہوں۔ ایک دن ڈاکٹر گاندھی نے فون پر بت لایا کہ گورنر صاحب  
نے یاد فرمایا ہے۔ میں راج بھون پہنچا۔ اس وقت گورنر صاحب اپنے اقرار خاندان

کے ساتھ اپنے روم میں تشریف فرما تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ گورنر صاحب نے مجھ سے کلام سنانے کی خواہش کی۔ اُن کی خواہش پر میں نے اس تقریر سنائی۔ گورنر صاحب نے کلام سُنے کے بعد فرمایا کہ میکے بیٹے رشتی کانت کی شادی ہو رہی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس موقع پر ایک تہنیتی نظم لکھیں۔ میں نے بُرے اعتماد کے ساتھ ہاں کہہ دیا۔ دو روز کے بعد نظم کے ساتھ راج بھون پہنچا۔ نظم سنائی۔ گورنر صاحب اور ان کے ارکان خاندان نے نظم پسند کی۔ گورنر صاحب نے گاندھی صاحب سے کہا کہ یہ نظم دیوناگری (ہندی رسم الخط) میں بھی چھپوائیے۔ چنانچہ یہ نظم اردو، ہندی زبانوں میں طبع کی گئی۔ گورنر صاحب چونکہ قدیم تہذیب اور پُراٹے رسم و رواج کو پسند کرنے والے انسان ہیں اس لئے انہوں نے اردو نظم کی فرائش کی تھی۔ یہ نظم جب میں نے گورنر صاحب اور اُن کے افراد خاندان کو سنائی تو اُن کا ایک صاحبزادی نے مجھ سے کہا کہ کچھ اور نام اس نظم میں اضافہ کیجئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ گورنر صاحب نے آخر میں کہا کہ یہ نظم ماتا جی کو بھی پُناہ دے (یعنی ان کی والدہ محترمہ کو)۔ گورنر صاحب کی والدہ محترمہ تقریباً ۹۰ برس کی ہیں۔ راج بھون کی تیسری منزل پر ان کا کمرہ ہے۔ میں گاندھی صاحب کے ہمراہ ان کے ہاں پہنچا۔ بڑی محبت سے ملیں۔ میں نے نظم سنائی۔ اُنہیں بھی نظم پسند آئی۔ مجھے دعائیں دیں۔

گورنر صاحب کے فرزند رشتی کانت کی شادی پروفیسر ساگر سنگھ (سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف فارن لنگویجس) کی دختر سے ۵ مئی ۱۹۹۳ء کو ہوئی۔ شادی کی صبح گورنر صاحب نے راج بھون پر بلوایا۔ برائیوں کے ساتھ ایک فرد خاندان کی طرح میں بھی شادی میں شری درملن کے گھر واقع عثمانیہ یونیورسٹی کمپس برائے پنجی تو گورنر صاحب کی خواہش پر یہاں

پلو نہ بنی نظم کی۔ اس کے بعد راج بھون سے میرا رشتہ اور مضبوط ہو گیا۔

جب عابد علی خاں کی نواسی عائشہ (دختر جناب حامد قادری) کی شادی کے سلسلے میں گورنر صاحب کی والدہ نے مجھے راج بھون بلوایا۔ میں گاندھی صاحب کے ہمراہ ان کے روم میں پہنچا۔ پہلے تو انہوں نے خیر فریت دریافت کی۔ چائے بسکٹ کھائی سے تو اصرار کیا۔ ایک کی تقسیم سے پہلے کے واقعات کا ذکر کیا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ اپنے خاندان اور گورنر صاحب کے بچپن کے واقعات و حالات کے بارے میں بتایا۔ اس وقت عابد علی خاں صاحب کو یاد کیا اور کہا کہ عابد علی خاں میرے بیٹے کرشن کانت کی طرف تھے۔ بہت بھلے آدمی تھے۔ دیر تک عابد علی خاں کی تعریف کرتے رہے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد کہا کہ میں عابد علی خاں کی نواسی کی شادی کے سلسلے میں ایک ایسا تحفہ دینا چاہتی ہوں جو ایک یادگار تحفہ رہے۔ میں نہیں چاہتی کہ سونے کی انگوٹھی یا کوئی زیور یا کپڑوں کی شکل میں تحفہ دوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک نظم لکھیں، جو میرے خیالات کی ترجمان ہو۔ انہوں نے مبارک باد کی احساسات و جذبات سے بھر پور دعائیہ نظم کی فرمائش کی۔ میں نے ان کے خیالات کو منظوم کیا۔ نظم انہیں پسند آئی۔ بہترین فریم میں سجا کر شادی کے دن پیش کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن تاسا زاری مزاج کی وجہ یہ نظم ان کی جانب سے گورنر صاحب نے دلہن کے حوالے کی۔ اس نظم کی کئی کاپیاں حاضرین میں تقسیم کی گئیں۔

شہر میں ایک، ال پہلے شراب بندی کے سلسلے میں چلے ہوئے لگے تو گورنر صاحب نے ایک بلیک جلی میں شراب بندی کے موضوع پر دوستانہ تقریر میں نظم پیش کی۔ ان کے شاعرانہ طرز کو تلگر کے اخباروں میں نظم کی شکل میں شائع کیا گیا۔ دوسرے دن گورنر صاحب



نے مجھے راج بھون بلوایا اور اپنی ہندی نظم مجھے سنائی انا مجھ سے خواہش کی کہ ان خیالات کو اردو میں نظم کی شکل میں لکھوں، میں نے نظم لکھی۔ گورنر صاحب کی اور میری نظم ”سیاست“۔ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی ایک دن جناب محبوب حسین جگر کی خواہش پر ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور میں نے شراب کے موضوع پر سیاست میں برہنہ اشعار کہے۔ یہ اشعار دوسرے دن ”سیاست“ میں شائع ہوئے۔

پھر ایک ایسا موقع آیا کہ گورنر صاحب کی خواہش پر گاندھی صاحب نے ایک اور دن بلوایا۔ ڈاکٹر اندو شست بھی پہنچ گئیں۔ گورنر صاحب کو کسی بڑے جلسے میں شراب کے موضوع پر تقریر کرنی تھی۔ گورنر صاحب شراب بندی پر کچھ شعراء دورانِ تقریر پیش کرنا چاہتے تھے۔ نہپال سنگھ درما کو بھی بلوایا گیا تھا، لیکن وہ مشہور ہی موجود نہیں تھے۔

گاندھی صاحب نے کہا کہ کل نظموں کے ساتھ آجائے گا۔ لیکن گورنر صاحب نے کہا کہ آج ہی اشعار چاہیے، اور اُس وقت اس پر میں نے گورنر صاحب سے عرض کیا کہ آپ ہمیں صرف آدھا گھنٹہ کی مہلت دیں، اشعار مل جائیں گے۔ گاندھی صاحب نے ہم دونوں کو ایک روم میں بٹھار دیا۔ ہم دونوں نے نصف گھنٹے میں ۱۲ شعراء کہہ کر گورنر صاحب کو سنایا۔ اشعار گورنر صاحب کے حوالے کئے گئے۔

گورنر صاحب نے ۷ ابراہیم چاند ۱۹۹۹ء میں اردو گھر محل پورہ میوا میری منتخب نظموں پر مشتمل مجموعہ ”یہ کیسا رشتہ ہے“ کی رسم اجرا انجام دی تھی۔ جب میرا ان مجموعہ کلام ”کیا کیا جائے“ شائع ہوا تو مجھے یہ خواہش ہوئی کہ کیوں نہ اس کتاب کی رسم اجرا راج بھون میں انجام پائے۔ جب میں نے گورنر صاحب کے سامنے یہ رکھی تو انہوں نے کہا کہ ضرور۔ راج بھون میں کتاب کی رسم اجرا انجام پائے گی۔

گورنر صاحب نے میرا ان کی حیثیت سے میری کتاب کی رسم اجراء انجام دی۔ شکر ہے  
 محفل کی توجہ کی گئی۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، ساجن وائس چانسلر ملگو یونیورسٹی،  
 پروفیسر جعفر نظام ملایا وائس چانسلر کالج یونیورسٹی اور ڈاکٹر سید عبدالمنان  
 صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے مخاطب کیا۔ جناب رئیس اختر ناظم اجلاس  
 تھے۔ رسم اجراء کے موقع پر میں نے اظہار تشکر کرنے کے بعد غزل سنائی تو گورنر صاحب  
 نے فرمایا کہ اس محفل میں کافی شعراء موجود ہیں، کیوں نہ مشاعرہ ہو جائے۔ پھر انجمن  
 مشاعرہ ہوا جس میں مشہرے شاعرہ شعراء ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، سید شہید علی  
 علی احمد جلیلی، صلاح الدین تیسر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق تقویٰ،  
 نپال سنگھ درما، شفیع اقبال، مومن خاں شوق، ڈاکٹر راہی،  
 افضل شیلیم، منان منظور، قاضی انجم عارفی نے کلام سنایا۔

دوسرے دن راج بھون سے گاندھی صاحب نے خون کیا اور کہا کہ کل آپ نے  
 ماما جی (والدہ محترمہ گورنر صاحب) سے ملاقات نہیں کی۔ وہ آپ کا انتظار کرتی رہیں  
 میں نے کہا کہ ان سے کیسے ملتا۔ اگر وہ یاد فرمائیں تو میں ضرور ملاقات کرتا۔ اس  
 بات پر گاندھی صاحب نے کہا، کیا آپ اس وقت آسکتے ہیں؟ اس وقت چار بج  
 رہے تھے۔ میں نے کہا ۱۵ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ راج بھون پہنچنے کے بعد گاندھی  
 صاحب کے ہمراہ والدہ گورنر صاحب کے ہاں چلا گیا۔ میں آداب کر کے ان کے پلنگ کے  
 بازو بیٹھ گیا۔ ان کی طبیعت کچھ ناسا آتی تھی۔ پہلے تو رسمی گفتگو رہی پھر انہوں نے کہا  
 کہ کل آپ کی کتاب کی رسم اجراء تقریب ہوئی۔ آپ مجھ سے ملنے نہیں آئے۔ میں متناظر  
 رہی۔ میں نے کہا کہ ضرور آتا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے یاد فرمایا ہے۔ والدہ گورنر صاحب

نے میری نئی کتاب کی اشاعت کی مبارکباد دی اور تقریباً دو کلو میٹائی کا ذبح  
 میرے حوالہ کیا اور کہا کہ آپ کی کتاب کی اشاعت کی خوشی میں میری طرف سے۔ میں  
 کا بہت متاثر ہوا۔ گورنر صاحب کی والدہ کا یہ اعزاز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔  
 گورنر صاحب کو اردو شاعری سے کافی لگاؤ ہے۔ رسم اجرا کے تیسرے دن راج  
 بھون میں ہندی، اردو مشاعرہ ہوا۔ جناب نہپال سنگھ درما کنوینر تھے۔ اردو شاعروں  
 کو مدعو کرنے کی ذمہ داری میری تھی۔ اردو ہندی کے نمائندہ شاعروں نے کلام سنایا۔  
 جب صدر جمہوریہ ہند چھٹیاں گزرنے کے لئے حیدرآباد تشریف لائے تو جناب  
 جلیل پاشاہ صدر کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی، نے راشٹری نیلام میں ۲۷ ستمبر ۱۹۹۵ء کو  
 مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ میں ناظم مشاعرہ تھا۔ اردو کے نمائندہ شاعروں نے کلام مسنایا تھا۔  
 مسز سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد خلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ناصر کرولی، ڈاکٹر  
 صادق نقوی، اکمل حیدر آبادی، نہپال سنگھ درما، علی الدین نوید، مومن خاں شوق، رئیس  
 شہامت جہا، ڈاکٹر راہی، اثر غوری، قاضی انجم عارفی، شفیع اقبال، افضل تسلیم  
 مظفر النساء ناز، ڈاکٹر اندو وشنٹ۔ اس مشاعرے میں گورنر صاحب بھی موجود تھے  
 جناب خلیل الرحمن سابق ایم۔ پی۔ نے بھی شرکت کی تھی۔ صدر جمہوریہ ہند نے نہایت دلچسپی کے  
 ساتھ مشاعرہ سماعت فرمایا۔ مشاعرہ کے بعد شعراء کو گلہستہ پیش کرتے ہوئے شال اڑھا  
 اس طرح شاعروں کو اعزاز سے نوازا گیا۔ چار دن بعد پھر راشٹری نیلام میں ہندی کا  
 مشاعرہ ہوا۔ اردو شاعر کی حیثیت سے میں نے نمائندگی کی۔ اس مشاعرہ میں صدر جمہوریہ ہند  
 نے تمام شاعروں کو گلہستہ پیش کرتے ہوئے شال اڑھا کر شعراء کی حوصلہ افزائی کی۔  
 گورنر صاحب کو لسانی ہم آہنگی سے بے حد دلچسپی ہے۔ ان کی تقریر صرف اردو میں

موتی ہے۔ دورانِ تقریر فیض احمد فیض کے کئی شعر منیائا کرتے ہیں۔ فیض ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ انوار العلوم کالج کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۶ء میں منعقدہ عیدِ اُنکادی تقریب میں یہ بھی کہا کہ میں نے فیض احمد فیض کے اشعار سے الیکشن جیتا ہے۔ گورنر صاحب راج بھون کی ہر تقریب میں شہرکائے محفل سے ان کی قسمتوں تک پہنچ کر ملتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں۔ راج بھون میں مدعوئیں کی فہرست منتخب رہا کرتے ہیں۔ گورنر صاحب جب گورنر کی حیثیت سے حیدرآباد تشریف لائے تو خصوصیت کے ساتھ عابد علی خاں صاحب سے ملاقات کی۔ ان سے رابطہ رکھا۔ دونوں کے مراسم مثالی تھے۔ گورنر صاحب کو اردو والوں کے جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کیا جاتا تھا۔ ادبی ٹرسٹ اور سنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں شرکت کی۔

عابد علی خاں کے انتقال سے گورنر صاحب کو بڑا دکھ لگا۔ حیدرآباد میں عابد علی خاں ہی کی ایک ایسی شخصیت تھی جن سے مختلف موضوعات پر مشاورت کرتے۔ خاص طور پر حیدرآباد کی روایات، یہاں کی تہذیب کے بارے میں — گورنر صاحب کو ہندو مسلم اتحاد سے بہت دلچسپی ہے۔ دسمبر ۱۹۹۹ء میں جب حیدرآباد میں بھیانک فساد پھوٹ پڑا تو انہوں نے پیرانے شہر کے کئی مقامات کا دورہ کیا۔ عابد علی خاں صاحب اور مسٹر بدھویر ایڈیٹر ملای "ان کے ہمراہ تھے۔ ظلم رسیدہ لوگوں سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ انہیں دلا دیا۔ گورنر صاحب عوام کے قریب ہزار یا دہا پسند کرتے ہیں۔ تین سال قبل رمضان کے موقع پر پیرانے شہر کا دورہ کیا، ایک عام شہری کی طرح — عابد علی خاں ان کے ہمراہ تھے۔ اس سال بھی انہوں نے جناب زاہد علی خاں کے ہمراہ پیرانے شہر کا دورہ کیا۔ پھر کئی گاہا گئی کو دیکھا، مسلمانوں کو مبارکباد دی۔

گورنر صاحب آندھرا پردیش کی سیاست کے مختلف دور میں نہایت خوش اسلوبی

کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ گورنری کے عہدہ پر صرف آنے نہیں دیا۔ اور آج وہ پچھلے آن بان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہم نے سنا تھا کہ ریاست آندھرا پردیش کے ایک اور گورنر مسٹر بھیم سین سپر بھی ایک مثالی گورنر تھے۔ بشرطی کمودین جوشی کا دور گورنری بھی نہایت کامیاب رہا۔ شریمنی کمودین جوشی نے میرے مجموعہ "کاسم" "رشتہ کی مہک" کی رسم اجراء انجام دی تھی۔ یہ تقریب ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء کو اردو گھر مغلیہ راہ میں منعقد ہوئی تھی۔ شہر کے مشاہیر جلسے میں موجود تھے۔ ادب دوست خواتین و حضرات سے اردو گھر کچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ گورنر صاحب نے حیدرآباد کی ممتاز ستارہ ہوٹل محترمہ عظمت عبدالقیوم کی ۴۰ سالہ جشن تقاریب کے سلسلے میں جو، جو بلی ہال میں منعقد ہوئی تھی، شرکت کی تھی۔ تقریب کا افتتاح کیا تھا۔ اس موقع پر "عظمت عبدالقیوم۔ فن اور شخصیت" کے نام سے عظمت عبدالقیوم کی کتاب شائع ہوئی تھی جس کو میں نے ترتیب دیا تھا۔

گورنر صاحب آندھرا پردیش جناب کرنل کانت ہمارے شہر کے ایک ایسے سربراہ ہیں جن کی شخصیت کی خوشبو ہمیشہ مہکتی رہے گی۔

## محفلِ خواتین۔ عظمتِ عبد القیوم۔ صلاح الدین نیر

اُردو تہذیب کے شہر حیدرآباد میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی بعض نامور خواتین نے ایسے بھی کارہائے نمایاں انجام دی ہیں جنہیں ادبی و تہذیبی تاریخ کبھی بھلا نہیں سکے گی۔ وہ ایسی شخصیتیں ہیں جو تاریخ کا ایک اہم حصہ بنا کر آئے والی نسلیں کو برسوں تک اس بات کا احساس دلاتی رہیں گی کہ حیدرآباد کا دامن کسی وقت بھی تاریخی شخصیتوں اور لائق سپوتوں سے خالی نہیں رہا۔

شعر و ادب کی محفلیں ہوں کہ علمی و تہذیبی محفلیں، سیاسی محفلیں ہوں کہ فلاحی محفلیں یا دینی، اخلاقی و نورانی محفلیں ہوں، سرزمینِ دکن ان کی ہمہ رنگی سرگرمیوں پر ناز کرتی رہے گی۔ سرزمینِ دکن نے نایاب ہستیوں کو ہمیشہ اپنی باتھروں میں سمیٹا ہے۔ یہاں ایسا نورانی و تہذیبی سلسلہ برسوں سے پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

شہرِ محبت نواز، حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں کئی برسوں کی طرح آج بھی شعر و ادب کی مختلف انجمنیں، علمی و ادبی مجلسیں، اپنے اپنے طریقوں سے سرگرم عمل ہیں۔ ایسی ہی سرگرم عمل انجمنوں میں ایک انجمن، محفلِ خواتین بھی ہے جو گزشتہ (انڈاز) ۲۴ برسوں (دسمبر ۱۹۷۷ء) سے پُر وقار انداز میں شعر و ادب کی خدمات انجام دے رہی ہے۔

محفلِ خواتین کی بانی اور نہایت فعال شخصیت ممتاز شاعرہ و نامور ادیبہ محترمہ عظمت عبد القیوم تھیں، جنہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی تھی۔ محفلِ خواتین کے ارکان نے ہمیشہ ان کا احترام کیا۔ ان کا ساتھ دیا۔ محفلِ خواتین کی خدمات کے اعتبار سے بھی ان کا نام سر فہرست آتا ہے۔

محفلِ خواتین کے قیام کے موقع پر عظمت آپا (عظمت عبد القیوم نے عجبے (صلاح الدین نسیر) کو بھی یاد فرمایا تھا۔ جو اجلاس محفلِ خواتین کے قیام کے سلسلے کا پہلا مشاورتی اجلاس تھا۔ جس زمانے میں، میں نے شعر و ادب کی محفلوں سے اپنے آپ کو وابستہ کیا تھا وہ زمانہ انتہائی خوش گوارہ تہذیب یافتہ اور کیف آور ماحول کا ترجمان تھا۔ یہ بات ۱۹۵۹ء کی ہے۔ ان دنوں میں اردو کالج میں بی۔ او۔ ایل کا طالب علم تھا اور ان ہی دنوں روزنامہ سیاست کے شعر و سخن و محفلِ شعر سے وابستہ ہو گیا تھا۔ قیامِ ادبی ٹرسٹ (۱۹۶۷ء) کے وقت سے آج تک آفس انچارج کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ ۱۹۵۹ء-۶۰ء اردو کالج کے طالب علمی کے زمانے میں عثمانیہ یونیورسٹی کے علاوہ شہر کے مختلف کالجوں میں شعر و ادب کی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں۔ میں اپنے کالج کی فہم اردو کا مدیر ہی نہیں اردو کالج میگزین کا مدیر بھی تھا۔ اُسی زمانے میں جب چھٹا بین صلیبی اردو فیسٹیول (۱۹۵۹ء) منعقد ہوا تھا تو میں مشاعرہ کا کنوینئر منتخب کیا گیا تھا۔ میں نے کل ہند مشاعرہ کی کاروائی چلائی تھی۔

اُن دنوں شہر میں اردو مجلس (انجمن ترقی اردو) اردو ہال (نئی سکر) پر عروج پر تھیں۔ رائے جانشی پرشاد صدر اردو مجلس تھے اور مسٹر اساتذہ منظور احمد منظور اور ڈاکٹر مفتی تقی محمد اردو مجلس کے ممبرین تھے۔ جناب منظور احمد نے ازراہ شاگردنوازی مجھے اردو مجلس کی سرگرمیوں میں شامل کر لیا۔ رائے جانشی پرشاد چاہتے تھے کہ میں وقتاً فوقتاً جناب منظور احمد کا ہاتھ بٹاتا رہوں۔

اُس زمانے میں ادارہ ادبیات اردو کی سرگرمیاں بھی کافی عروج پر تھیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری تہذیبیہ یقیناً حیات تھے۔ مجھے ایوان اردو کے مشاعرہ میں کلام سنانے کا اعزاز حاصل ہوتا رہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے تیس سال پہلے، پہلی دفعہ عظمت عبدالقیوم، بانو طاہرہ سعید، روحی علی احمد، ناز حیدرہ کو ایوان اردو کے مشاعرے میں سنا تھا۔ میں نے اُس مشاعرہ میں کلام سنا یا تھا۔ (روحی علی احمد بعد میں پاکستان چلی گئیں) اُن شاعرات نے اپنے بہترین کلام سے داد و تحسین حاصل کی تھیں اُن دنوں شہر کے بعض ادیب دوست گھرانوں میں مخصوص مشاعرے ہوا کرتے تھے اور میں ایسی محفلوں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا۔ خاص طور سے عظمت عبدالقیوم، بانو طاہرہ سعید، ناز حیدرہ، عائشہ رشاد، روحی احمد اور ڈاکٹر رحیم الدین کمال کی رہائش گاہ پر منعقدہ مشاعروں میں میری شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی۔

عظمت عبدالقیوم کے شوہر محترم جناب عبدالقیوم چیف انجینیئر ریٹائرڈ جو اُن دنوں جواہر لال نہرو پالی ٹیکنک کالج سے وابستہ تھے) مجھے بے حد چاہتے تھے۔ جب کبھی عظمت آپا کو کسی مشاعرہ میں مدعو کرتا تو قیوم صاحب عظمت آپا



میں ہوتے تھے۔ کالج کا یہ ہال شریعتی روڈ امستری نے فراہم کیا۔ پچھترہ ۲۴ برس سے محفلِ  
 خواتین کے ماہانہ جلسے اسی مقام پر ہو رہے ہیں۔ البتہ کچھ خصوصی اور سالانہ جلسے تماش  
 کلب، رویندرابھارتی، اٹیٹوٹیریم، اردو ہال، وینس کالج، شادان کالج، اردو گھر،  
 اور مولانا ابوالکلام آزاد لیسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوتے رہے۔ ابتدائی دنوں میں  
 محترمہ بلقیس علاء الدین سرپرست محفلِ خواتین تھیں لیکن وہ اپنی دیگر مصروفیات  
 کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتی تھیں اس لئے شریعتی روڈ امستری کی سرپرستی حاصل  
 کی گئی۔ صدر کی حیثیت غطت عبدالقیوم کو حاصل تھی۔ شریعتی روڈ امستری سرپرست  
 بننے کے بعد محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسوں کے لئے (۱۹۷۲ء سے) (عقب نیوٹرینل)  
 کا ہال فراہم کیا۔ غطت عبدالقیوم تاحیات محفلِ خواتین کی صدر رہیں۔ مختلف اوقات  
 میں نائب صدر کی حیثیت سے بالوطاہرہ سعید، ڈاکٹر نرینت ساجدہ بھی وابستہ رہیں۔  
 ڈاکٹر بالوطاہرہ سعید، نازحیدر صاحبہ کے بعد غطت عبدالقیوم نے محفلِ خواتین کی بنیادی  
 پالیسی اور طریقہ کار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ انہوں نے اپنی کوشش سے شہر کی  
 بہت سی خواتین کو محفلِ خواتین کا رکن بنایا۔ نئی نئی لکھنے والی خواتین محفلِ خواتین  
 کے کاروان میں شامل ہوتی گئیں۔ غطت عبدالقیوم نے اپنے دو قسیم کی روشنی  
 میں بھی یہ طے کیا کہ سالانہ جلسوں کے موقع پر غزلوں کی رات (محفلِ موسیقی)  
 کا اہتمام کیا جائے جس کی نوعیت کچھ اس طرح ہو کہ شہر کے ممتاز گلوکار محفلِ خواتین  
 سے وابستہ خاتون شعراء کا کلام ساز پر پیش کریں۔ غزلوں کی رات میں مسرکہ گل  
 راؤ، امیر محمد خاں، رکن الدین، خان اطہر، شکیل احمد، عبدالرحیم (سنگار پٹیل)  
 جیسے یا کمال گلوکار حصہ لیا کرتے تھے۔

عزیز النساء صبا کو شہر ایک معتبر اور منظر النساء نانہ کو خازن منتخب کیا گیا۔ اور تجھ سے یہ خواہش کی گئی کہ یہاں مشیر محفل خواتین کی حیثیت سے محفل خواتین کی سرگرمیوں سے وابستہ رہوں۔ محفل خواتین کی سرگرمیوں کا خاتون شعراء کے مشاعرہ سے براہِ روئے نہ بھارتی تھیٹر میں ۲۹ دسمبر ۱۹۶۱ء کو منعقد ہوا تھا جس کی صدارت محترمہ بلقیس علاء الدین نے کی تھی۔ اور شرمیتی روڈ امستری مہمان خصوصی تھیں۔ اخبارات میں انجمن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ میں نے اپنا تمام نیوڑ میں نہیں دیا اس خیال سے کہ محفل خواتین صرف اور صرف خواتین کی انجمن ہے۔ میں محفل خواتین کے شعریہ نشر و اشاعت کا سا با کام انجام دیتا رہا۔ قیام انجمن کے وقت سے آج بھی اعتماد کی فضا میں محفل خواتین کا کام انجام دے رہا ہوں۔ میں نے قیام انجمن سے آج تک سواری خرچ یا کسی اور سلسلے میں کسی بھی قسم کا رقمی تعاون حاصل نہیں کیا۔ (بے نوبت خدمت انجام دے رہا ہوں)۔

تمامہ ارکان محفل خواتین میں اہم نام عظمت عبد القیوم کا ہی ہے۔ عظمت آیا خاص طور پر محفل خواتین کی سالانہ تعارفیہ کاہر پر وگرام پہلے اپنے طور پر طے کرتی تھیں پھر سرپرست محفل خواتین شرمیتی روڈ امستری اور دیگرہ ارکان محفل خواتین سے مشورہ کرتی تھیں۔ حرف آخر تو عظمت آیا کا ہی رہتا تھا۔ محفل خواتین کے دستو کا جب مسودہ ترتیب دیا جا رہا تھا تو اس وقت عظمت آپا نے مجھے مشاورت میں شامل رکھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ محفل خواتین کی ہر تقریب کے سلسلے میں بھی مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھیں۔ جب شرمیتی روڈ امستری (۱۹۶۱ء) میں محفل خواتین کی سرپرست بنائی گئیں تو محفل خواتین کے ماہانہ جلسے کا لچ آف سوشل ویلفیر سنٹر (عقب نیلفور سوشل)

ن ہونے لگے۔ کالج کا یہ ہال شرمیلی روڈ امستری نے فراہم کیا۔ پچھترشتہ ۲۴ برس سے محفل  
 خواتین کے ماہانہ جلسے اسی مقام پر ہو رہے ہیں۔ البتہ کچھ خصوصی اور سالانہ جلسے نائٹ  
 طلبہ، روینڈرا بھارتی اڈیٹوریٹ، اردو ہال، وینس کالج، شادان کالج، اردو گھر  
 در مولانا ابوالکلام آزاد لیسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوتے رہے۔ ابتدائی دنوں میں  
 خرمہ بلقیس علماء الدین سرپرست محفل خواتین تھیں لیکن وہ اپنی دیگر مصروفیات  
 کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتی تھیں اس لئے خرمہ کی روڈ امستری کی سرپرستی حاصل  
 کی گئی۔ صدر کی حیثیت غفمت عبدالقیوم کو حاصل تھی۔ شرمیلی روڈ امستری سرپرست  
 بننے کے بعد محفل خواتین کے ماہانہ جلسوں کے لئے (۱۹۷۷ء سے) (عقب نیو فور ایپل)  
 کا ہال فراہم کیا۔ غفمت عبدالقیوم تاحیات محفل خواتین کی صدر رہیں۔ مختلف اوقات  
 میں نائب صدر کی حیثیت سے بالوطاہرہ سعید، ڈاکٹر نہایت ساجدہ بھی وابستہ رہیں۔  
 ڈاکٹر بالوطاہرہ سعید، نازحیدر صاحبہ کے بعد <sup>پچھترشتہ برس تک منعقد رہیں</sup> غفمت عبدالقیوم نے محفل خواتین کی بنیادی  
 پالیسی اور طریقہ کار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ انہوں نے اپنی کوشش سے شہر کی  
 بہت سی خواتین کو محفل خواتین کا رکن بنایا۔ نئی نئی لکھنے والی خواتین محفل خواتین  
 کے کاروان میں شامل ہوتی گئیں۔ غفمت عبدالقیوم نے اپنے ذوق سلیم کی روشنی  
 میں بھی یہ طے کیا کہ سالانہ جلسوں کے موقع پر غزلوں کی رات (محفل موسیقی)  
 کا اہتمام کیا جائے جس کی نوعیت کچھ اُس طرح ہو کہ شہر کے ممتاز گلوکار محفل خواتین  
 سے وابستہ خاتون شعراء کا کلام سنا دیا پیش کریں۔ غزلوں کی رات میں مسز دھنل  
 راؤ، امیر محمد خاں، رکن الدین، خان اطہر، شکیل احمد، عبدالرحیم، سنگار طبعی  
 جیسے باکمال گلوکار حصہ لیا کرتے تھے۔

غزلوں کی رات کے موقع پر خاتون اہل قلم کی تخلیقات کی اشاعت کے لئے ایک ادبی مسکن بنی ہوئے لگا جس میں صرف اور صرف محفلِ خواتین سے وابستہ خاتون اہل قلم کی تخلیقات کے علاوہ بعض جہان خاتون ادیبوں اور شاعرات کا کلام بھی شامل ہوتا رہا۔ یہ روایت آج بھی جاری ہے۔ اب تک محفلِ خواتین کے (۱۹) ادبی میگزین شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ ۷۔ دسمبر ۱۹۷۳ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۷۔ نومبر ۱۹۷۵ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۷۶ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۱۹۷۸ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۷۹ء (مدیر فاطمہ عالم علی خاں) شریک مدیر فاطمہ عالم علی خاں۔ ۲۲۔ اگست ۱۹۷۹ء (مدیر فاطمہ عالم علی خاں)۔ ۲۳۔ نومبر ۱۹۷۹ء (مدیر فاطمہ عالم علی خاں)۔ ۲۴۔ جون ۱۹۸۰ء (مدیر فاطمہ عالم علی خاں)۔

غزلوں کی رات کی پہلی کنوینر انجم قمر سورتھیں جو ٹائٹل کلب میں ۷۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء منعقد ہوئی تھی۔ مختلف خصوصیات کی وجہ سے وہ محفل یادگار ثابت ہوئی۔ شرکائے محفل میں صرف مدعوئین ہی تھے۔ بعض خاص خاص شخصیتوں میں جناب عابد علی خاں، مدیر سیاست، محبوب حسین جگر، جوائنٹ ایڈیٹر سیاست، اشتیاق حسین میر حسن، برگڈیر سعید، عبدالقیوم چیف ایجنٹر، عبدالسلام خاں (کمشنر پولیس) شامل تھے۔

محفلِ خواتین کے خدمت گزاروں میں دوسرا اہم نام سرپرست محفلِ خواتین شریقتی روڈ استری کا ہے۔ شریقتی روڈ استری عظمت عبدالقیوم کی بہت عزت کرتی تھیں۔ عظمت آیا کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔ عظمت آیا نے بھی شریقتی روڈ استری کو ہمیشہ

نذر کی لڑائیوں سے دیکھا۔ (شرمیتی روڈا مستری کی موجودگی اور غیر موجودگی میں ان کے پرسنل سکریٹری جناب نثار احمد کا بھی محفلِ خواتین کو تعادُل حاصل رہا کرتا تھا۔ محفلِ خواتین سے متعلق اکاؤنٹس کی ذمہ داری ان ہی کی ہے۔ محفلِ خواتین کا مین اکاؤنٹس ابتداء ہی سے شرمیتی روڈا مستری کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔ جب کبھی سالانہ تقریب کے سلسلے میں بھی ضرورت ہو تو شرمیتی روڈا مستری کی اجازت سے ہی بنک سے رقم نکلوائی جاتی ہے۔ چیک پر دستخط شرمیتی روڈا مستری کی بھی ہوتی ہے۔ البتہ ہر ماہ ہونے والے جلسوں کے اخراجات (چائے نوشی وغیرہ) کی تکمیل اراکین محفلِ خواتین کی رکیت فیس سے کی جاتی ہے۔

شرمیتی روڈا مستری، عظمتِ آبائی ہر تجوینہ کو پسند کرتی تھیں۔ دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی تھی۔ ادبی میگزین کے اشتہارات کے لئے عظمتِ آبائی خصوصی دلچسپی لیتی تھیں۔ ان کی کوشش سے ابتداء میں تقریباً (۱۹) ہزار روپے جمع کر وائے گئے تھے۔ ناز حیدر، محفلِ خواتین کی پہلی معتمد تھیں۔ مختلف اوقات میں بہت کم عرصے کے لئے بانو طاہرہ سعید، طیبہ بیگم سلطانہ شرف الدین محفلِ خواتین کی معتمد رہیں۔ البتہ فاطمہ عالم علی خاں تقریباً ۱۲ برس تک معتمد محفلِ خواتین رہیں۔ منظر النساءِ ناز کو یہ اعزاز ملے کہ وہ تمام محفلِ خواتین سے ہی شریک معتمد و خازن محفلِ خواتین رہیں۔ (یعنی ۲۴ برس سے)۔

محفلِ خواتین کی ایک صالح روایت یہ بھی ہے کہ محفلِ خواتین کے معتمد اور نائب کا انتخاب موزونیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ عمدہ روایت آج بھی برقرار ہے۔ یہ روایت عمدہ اس لئے ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس انجمن میں بھی انتخابات

کار و راج ہے اُس انجمن کے ارکان دو گروپ میں بٹ جاتے ہیں۔ نتیجتاً انجمن کا مشترکہ بکھر جاتا ہے۔ میں شخصی طور پر مورت و نیت کی بناء پر ذمہ داریاں سونپ جانے کو اولیت دیتا ہوں۔ ادبی ٹرسٹ، انجمن ترقی اردو جیسے ادارے ہمیشہ میرے پیش نظر رہتے ہیں۔ عظمت عبدالقیوم محفلِ خواتین کے ہر عہدہ کے لئے نامزدگی کے سلسلے میں میری مشاورت کو ہمیشہ ترجیح دیا کرتی تھیں۔ طیبہ بیگم سلطانیہ شرف الدین اور فاطمہ عالم علی خاں کو معتمد بنائے جانے کے موقع پر بھی مجھ سے مشاورت کی تھیں۔ عظمت عبدالقیوم، فاطمہ عالم علی خاں کو جب معتمد بنائے جانے کی تجویز رکھی تو فاطمہ عالم علی خاں نے کہا تھا کہ تنظیمی کاموں کے لئے میں موزوں نہیں ہوں کسی اور کو معتمد بنایا جائے تو مناسب ہے لیکن میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں آپ سے تعاون کرتا رہوں گا۔ (خاص طور پر محفل کی جبروں کی ترتیب و اشاعت میرے ذمہ تھی)۔ ماہانہ پروگرام وہ خود طے کرتی تھیں

محفلِ خواتین کے ادبی میگزین کی اشاعت کے علاوہ سالانہ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں بھی میرا ہر ممکنہ تعاون، محفلِ خواتین کو حاصل رہا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ طباعت و ترتیب و تہنیت سے سٹ کر مضامین کے انتخاب میں بھی مجھ سے مشورہ لیا جاتا تھا لیکن حرفِ آخر کی طرح آخری انتخاب عظمت آیا کا ہی ہوتا تھا۔ عظمت آیا کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ ہر ایک ادبی میگزین بہتر سے بہتر انداز میں شائع ہو۔ میں عظمت آیا کی ہر خواہش کا احترام کرتا تھا۔ ایک چھوٹے بھائی کی طرح۔ عظمت آیا کا سلوک میرے لئے ایک حقیقی بہن جیسا تھا۔ مجھے اُس دن کا وہ جملہ اب بھی یاد ہے جب انہوں نے اپنی کتاب ”عظمت عبدالقیوم۔ فن

اور شخصیت "کارسم احمد" کے موقع پر (میں نے تقریباً ۲۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو جوہلی ہال بارغ میں گورنر آندھرا پردیش شرمیتمی کمود بین ہوشی کے ہاتھوں انجام پائی تھی) بھری محفل میں کہا تھا کہ میں اپنے بھائی کسا شکریہ کس طرح ادا کر سکتی ہوں، بس خدا سے میری یہ دعا ہے کہ میرے بھائی کو میری عمر لگ جائے۔ غفلت آیا مجھے بہت چاہتی تھیں۔ اُن کے گھر کی ہر چھوٹی بڑی تقریب میں مجھے مدعو کیا جاتا تھا۔ بہت سے گھریلو معاملات میں مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی شاداں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ شاداں کا لُج، غفلت عبدالقیوم کی ایک عظیم یادگار ہے۔ انہوں نے اپنی چھٹی بیٹی کے نام سے شاداں کا لُج قائم کیا۔ آج شاداں کا لُج شہرت کی بلندیوں پر ہے۔ اس کا لُج کی شہرت کو آخری منزل تک پہنچانے میں اُن کے داماد ڈاکٹر وزارت رسول خاں کا اہم کارنامہ ہے۔ جو شاداں کا لُج کے چیف پرموٹر کی حیثیت سے پاک و صاف انتظام کے مکمل نگران ہیں۔ شاداں کا لُج میں سب سے پہلے لڑکیوں کے لئے بی۔ ایڈ کا لُج قائم ہوا۔ بی۔ ایڈ کا لُج کے پرنسپل اور اساتذہ کی خدمات کے انٹر ویو ز غفلت آیا کی قیام گاہ امیر پیٹ میں ہوتے تھے۔ لڑکیوں کے اس کا لُج میں غفلت آیا کی سرپرستی میں کا لُج سی لکچرر آر دو تفسیق قادری نے بہم خیاباں کے نام سے ایک انجمن قائم کیا۔

غفلت آیا کا محقر علالت کے بعد ۲۱ مئی ۱۹۸۸ء کو انتقال ہوا۔ ان کی شاعرانہ غفلت و عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے سلسلے میں گزشتہ (۸) برسوں سے ادبی تقاریب منعقد کر رہا ہوں۔ تا حال (۸) جلسے ہو چکے ہیں۔ ان تقاریب سے مجھے دلی ہلکون حاصل ہو رہا ہے۔ یہ جلسے شاداں کا لُج کے

علاوہ ڈاکٹر وزارت رسول خدا کی رہائش گاہ، شاہ منزل، ہمایوں نگر میں بھی منعقد ہوا کرتے ہیں۔ شاہ میراردو شرکت کیا کرتے ہیں۔

عظمت آہا، جناب عبدالقیوم کے انتقال کے بعد تقریباً ٹوٹ چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی صحت متاثر ہونے لگی۔ مہرے مسلسل اصرار پر اپنے آپ کو محفلِ خواتین کی ادبی سرگرمیوں میں مصروف رکھنا شروع کیا۔ قیوم صاحب کے انتقال کے بعد تقریباً ایک سال تک محفلِ خواتین کے جلسے نہیں ہوئے۔

عظمت عبدالقیوم کے انتقال کے بعد سلطانہ شرف الدین کو صدر محفلِ خواتین بنانے کے سلسلے میں، میں اور فاطمہ عالم علی خاں ہم خیال رہے۔ فاطمہ عالم علی خاں اپنی کچھ ادبی و نجی مصروفیات کی وجہ سے ۱۹۹۲ء میں محفلِ خواتین کی معتمدی کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو علاحدہ کر لیا۔ پھر ہم دونوں (فاطمہ عالم علی خاں، صلاح الدین تیر) کے مشورہ سے عزیزہ النساء صبا کو محفلِ خواتین کا صدر کیا گیا۔ سلطانہ شرف الدین صدر برقرار رہیں۔ محفلِ خواتین کی ایک سرگرم عمل رکن فاطمہ تاج کو محفلِ نشر و اشاعت منتخب کیا گیا۔ مظفر النساء نانہ سالانہ عہدہ شریک معتمد و کارکن کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

فاطمہ تاج کو شعر و ادب کی دنیا میں روشناس کرنے میں فاطمہ عالم علی خاں کی شخصی دلچسپی کو بڑا دخل ہے۔ فاطمہ تاج جب محفلِ خواتین سے وابستہ ہو گئیں تو انہوں نے بہت سی ادب دوست خواتین کو محفلِ خواتین کا رکن بنایا۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ عزیزہ النساء صبا، فاطمہ تاج اور مظفر النساء نانہ، محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں ہم خیال رہا کرتی ہیں۔



مددِ محفلِ خواتین سلطانہ شرف الدین بھی محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے باخبر رہتی ہیں۔  
 محفلِ خواتین کے جلسوں میں پیرہہ نشین و نیم پیرہہ نشین خواتین بلا لطف شرکت کرتی ہیں۔  
 محفلِ خواتین کے جلسوں میں صرف اور صرف خواتین ہی شرکت کیا کرتی ہیں۔  
 محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسوں میں کم از کم ۵۰ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ اہل ذوق خواتین  
 شریک رہتی ہیں۔ محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام صنعتی نمائش کے موقع پر نمائشِ کلب  
 میں خاتون شعراء کا مشاعرہ ہوا کرتا ہے۔ گزشتہ ۲ سال سے فاطمہ تاج شاعر  
 کی نظامت کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ تقریباً ۱۵ برس سے (درمیان میں کچھ  
 برس مشاعرے نہیں ہوئے) نمائش کے دوران یومِ خواتین کے موقع پر محفلِ خواتین  
 سے وابستہ خاتون شعراء کا مشاعرہ ہو رہا ہے۔ نمائشِ کلب میں مشاعروں کا انتخاب  
 غفلتِ ہمدردانہ کی شخصی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ محفلِ خواتین کی تقریباً تمام ارکان کی  
 کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی بیشتر کتابوں پر ملک کی اکیڈمیوں نے انعام سے  
 نوازا ہے۔ محفلِ خواتین کے اجلاس ہر ماہ کے دوسرے ہفتے میں پابندی کے ساتھ  
 ہوا کرتے ہیں۔ ایسی حیدر آبادی اہل قلم خواتین جو بیرون ملک میں رہتی ہیں وہ جب  
 حیدر آباد آتی ہیں تو ان کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ نا حال ممتاز شاعرہ فاطمہ سرین  
 ایم۔ اے، عثمانیہ جوش کا گوین ۲۳ برس سے مقیم ہیں اور بیرونِ کمال جو ۱۵ برس  
 سے جرمنی میں حکومت پریرہ ہیں، کا خیر مقدم کیا گیا۔ ان کی تخلیقات سنی گئیں۔ داد  
 رحیم سے نوازا گیا۔ محفلِ خواتین سے وابستہ خاتون شعراء نے ۲۰ سال قبل مسلم  
 ایجوکیشن سوسائٹی مدراس کے زیرِ اہتمام کل ہند مشاعرہ (پیرائے خواتین) میں شرکت  
 لگیں۔ مشاعرہ کی کاروائی ڈاکٹر زینت ساجدہ نے چلائی تھی۔ داعی مشاعرہ ڈاکٹر

عزیز تمنائی تھے جن کی خواہش پر میں نے شاعرات کی شرکت کا انتظام کیا تھا۔  
محفلِ خواتین کو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے ادبی پروگرام ملا کرتے ہیں۔ بعض  
ارکان محفلِ خواتین کو دور درشن سے بھی پروگرام ملتے رہتے ہیں۔ بہت سی شاعرات  
و نحاتوں ادیبوں کی تخلیقات روزنامہ سیاست میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

محفلِ خواتین کے جلسوں میں مہمان کی حیثیت سے خدیجہ ہاشمی (نیلیم ہاشمی) راجستھان  
نصیر الدین ہاشمی (جو بیس برس سے پاکستان میں رہتی ہیں) کا بھی خیر مقدم کیا گیا تھا۔  
محفلِ خواتین آج بھی اپنی بنیادی پالیسی پر قائم ہے جس کو عظمتِ عہدِ قدیم  
نے خواتین کی عزتِ نفس اور ان کے وقار کو پیش نظر رکھ کر قائم کیا تھا۔ اس  
وقت محفلِ خواتین کے عہدیداروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سرپرست: شرمستی روٹا مستری۔ صدر: سلطانہ شرف الدین۔

نائب صدر: فاطمہ عالم علی خاں۔ افضل عنایت خاتون۔

پروفیسر حبیب ضیاء۔

معمد عمومی: عزیز النساء صبا۔ معتمد نشر و اشاعت: فاطمہ تاج

شریک معتمد: منظر النساء ناز۔

۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء عظیم الشان بیماہ پر محفلِ خواتین کی دو روزہ

سولہ جولائی تا یوم شہد ہوئیں۔ افتتاحیہ اجلاس کی کنوینر فاطمہ تاج تھیں۔

## سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن

قبل اس کے کہ میں سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی ادبی، شعری و تہذیبی سرگرمیوں کا ذکر کروں، فردوسی سمجھتا ہوں کہ اُن محرکات کا بھی تذکرہ کروں جن کی روشنی میں سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا یہ بات ۱۹۶۹ء کی ہے یعنی ۲۷ برس پہلے کی۔ اس ادبی انجمن کے قیام سے پہلے سکرٹریٹ میں کسی قسم کی بھی اُردو انجمن کا وجود نہیں تھا۔ ریاستوں کی تسلیم جدید کے بعد یعنی ۱۹۵۷ء کے بعد سے سکرٹریٹ میں آندھرا پردیش سکرٹریٹ کلچرل اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کا بڑا شہرہ تھا۔ اس اسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ہر سال پابندی کے ساتھ ماہ نومبر ڈسمبر میں ۷ روزہ کلچرل پروگرامیں ہوا کرتے تھے۔ جس میں اُردو کا کوئی ایک پروگرام بھی شامل نہیں رہتا تھا۔ چونکہ تلنگانہ کے طارین بھی کلچرل اسوسی ایشن کے رکن ہوا کرتے تھے۔ اس لیے ہمارے کوششوں سے یہ وقت تمام سات روزہ پروگرام کے دوران کسی ایک دن نصف گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کا اُردو پروگرام ملتا تھا۔ اس مختصر وقت میں ہم لوگ کوئی ایک پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی محفل موسیقی کا اہتمام کیا جاتا تو کبھی اُردو ڈرامہ پیش کیا جاتا۔ ایک دفعہ ہم نے مشاعرہ بھی کیا تھا۔ جس میں حیدرآباد کے ممتاز شعرا نے کلام سُنایا تھا۔ معتمدی کے قرائن صلاح الدین نیر نے انجام دیئے تھے۔ تہذیبی پروگرام (موسیقی، ڈرامہ وغیرہ) کی پیش کشی میں مسرر خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی، حسین خاں اور شکیل احمد پیش پیش

رہا کرتے تھے۔ اس شخص کو انچارج جناب خواجہ بہاء الدین بہتے تنظیمی امور میں صلاح الدین  
بشیر اور افضل حسین (ممتاز کاظمی) بھی سرگرم عمل رہا کرتے۔

۲۷ برس پہلے آل ایدلیو حیدر آباد سے شہر کی کچھ اُردو انجمنوں کو اکٹھا  
تہذیبی پروگرامس دیئے جا رہے تھے۔ میری خواہش پر پروگرام اگر سیکرٹری (اردو سیکشن)  
سکرٹریٹ (جو میرے دوست تھے) اُردو پروگرام کی پیش کشی کے لئے اے۔ پی۔ سکرٹریٹ  
کلچرل اسوسی ایشن کے نام کٹر اکٹ فارم روانہ کیا لیکن اُس وقت کے ڈائریکٹر کلچرل  
اسوسی ایشن نے یہ لکھ کر کٹر اکٹ فارم لوٹا دیا کہ اے۔ پی۔ سکرٹریٹ کلچرل اسوسی ایشن  
اُردو پروگرام پیش کرنے کے موقف میں نہیں ہے۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے  
سکرٹریٹ کے اپنے ساتھی مسرہ خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی، افضل حسین (ممتاز کاظمی)

یو بھا کر راؤ، عظیم الدین اور بی۔ این۔ واگھرے کے سامنے یہ چار گھنٹے کی تقریریں بھی صورت  
میں پروگرام سے استفادہ کرنا چاہیئے لیکن اس کے لئے کسی ایک انجن کا نام ضروری تھا۔  
چونکہ اُس وقت سکرٹریٹ میں کوئی ادبی انجن نہیں تھی اسلئے باہمی مشاورت کے بعد  
سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے نام سے ادبی و تہذیبی انجن کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔  
اس فیصلے کے بعد میں نے ممتاز فتنہ و مزاح نگار جناب بھارت چند کھٹہ سکرٹری گودفر آندھرا  
پرادیش کو اس صورت حال سے واقف کراتے ہوئے اُن سے مدداریت کے لئے رضا مندی

حاصل کر لی۔ اسی طرح فون پر ہی مسرہ غلام احمد ڈیٹی سکرٹری، رشید قریشی اسٹنٹ  
سکرٹری اور لیں۔ یس۔ جیاراؤ سے بھی نائب مددور کی حیثیت سے شمولیت کی اجازت  
حاصل کر لی۔ میرے ساتھیوں نے صلاح الدین بیگم بہ اتفاق آراء معتد عومی نامزد کیا۔ جب  
جناب بشیر انور کو انجن کے قیام کے بارے میں معلوم ہوا تو میرے پاس آئے اور مجھ سے

شہریک معتمد بننے کی خواہش کی ان کے اصرار اور خواہش پر میں نے صدر اسوسی ایشن  
 جناب بھارت چند گھنٹہ کی اجازت سے شہریک معتمد بنایا۔ ۲۶ جون ۱۹۶۹ء کو  
 سکریٹریٹ اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ اخبارات کے ذریعہ اسوسی ایشن کے  
 قیام کا اعلان کیا گیا۔ شعبہ موسیقی کے لئے مسمرہ خواجہ بہاد الدین اور سید عباس  
 ہاشمی کو نامزد کیا گیا۔ شعبہ خواتین کے انچارج کی حیثیت سے مظفر النساء ناز اور  
 سیدہ محسنہ کو شامل کیا گیا۔ ان کے علاوہ دفاتر معتمدین کے ہر دفتر میں ایک ایک  
 رکن عامہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ہیئت ترقی کی  
 اس طرح رہی کہ اعلیٰ عہدیداران سکریٹریٹ میں سے کوئی ایک عہدیدار صدر ہوگا اور باقی  
 عہدیدار جو اسوسی ایشن سے وابستہ رہنا چاہتے ہوں نائب صدر رہیں گے۔ معتمد شہریک  
 معتمد، خازن، ارٹھان ممبر میں سے ہوں گے۔ ابتداء ہی سے کلکٹنگ فیس نہیں رکھی گئی۔  
 عہدیداران اسوسی ایشن کا انتخاب موزونیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس اسوسی ایشن  
 کے بلا تخصیص مذہب و زبان، اراکین ہوا کرتے تھے۔ ابتدائی پروگرامس اور  
 بعد کے پروگرامس میں سکریٹریٹ کی جنٹلمین اور خواتین نے حصہ لیا ان میں مظفر  
 النساء ناز، سیدہ محسنہ، شیریں سراج الحسن، کریم النساء، شہباز، پریملا شاہ،  
 ثریا سلطانہ، سلوچا چوشتی، کرشنا کمار، جیستی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔  
 سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کا آغاز ۲ جولائی ۱۹۶۹ء کے  
 ریڈیائی پروگرام (پروم توکب پروگرام) سے ہوا۔ نصف گھنٹہ کے اس پروگرام میں فضل  
 حسین اور سیدہ محسنہ نے افسانے سنائے تھے۔ صلاح الدین نیر نے کلام پیش کیا تھا۔  
 آل انڈیا ریڈیو سے دوسرا پروگرام یکم فروری ۱۹۷۰ء کو ہوا۔ تمکار کے موضوع پر

مسٹر غلام احمد ڈپٹی سکریٹری، رشید قریشی اسٹنٹ سکریٹری نے گفتگو کی لطیفوں کی محفل میں منظر النساء ناز، سیدہ محسنہ، شیریں سراج الحسن، پرمیلا شاہ، ثریا سلطانہ اور سلو جیا خوشی نے حصہ لیا تھا۔

سکریٹریٹ اسوسی ایشن کے وقار میں اضافہ کے لئے اس وقت کے ڈسٹریکٹ چیف سکریٹری جناب ایس۔ اے۔ قادر سے اسوسی ایشن کی سرپرستی حاصل کی گئی۔ جناب ایس۔ اے۔ قادر صدر نشین پبلک سروس کمیشن بنے تو جناب رامے کچ بھاری لال ادیشنل چیف سکریٹری کی خدمات سے یہ حیثیت سرپرست اسوسی ایشن استفادہ کیا جاتا رہا۔ ان کے بعد مسٹر رامن چیف سکریٹری سرپرست رہے۔ پھر ان کے بعد جناب شرودن کمار چیف سکریٹری سرپرست رہے (اور اب بھی ہیں)۔ انجن کے قیام کے بعد علی الترتیب مسرز بھارت چند کھنہ، غلام احمد، ایس۔ اے۔ واسع اور جناب صادق احمد، صدر انجن رہے۔ صادق احمد صاحب کے ریٹائرمنٹ کے بعد جناب تہاب الحسن اسرار مارچ ۱۹۸۵ء سے صدر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مختلف دور میں نائب صدر کی حیثیت سے مسرز غلام احمد، رشید قریشی، جباراؤ، ایس۔ اے۔ واسع، صادق احمد، ہاشم علی اختر، خالد انصاری، غلام دستگیر قریشی، حسن الدین احمد، غلام جمیلانی، خواجہ معین الدین، مین۔ کے۔ سیٹھ، مبشر احمد، سعد حسین سعد، مہاراج کرن وامن راؤ، ایس۔ اے۔ عزیزہ وغیرہ وابستہ رہے۔ بانی اسوسی ایشن صلاح الدین نیئر قیام اسوسی ایشن سے معتمد عمومی اسوسی ایشن میں مسٹر بشیر انوار ابتدا میں صرف ۸ ماہ کے لئے شریک معتمد رہے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کے لئے سکریٹریٹ میں ایک پبلک رنج کئی تھی۔ اردو زبان اور شعر ادب کے دلچسپی جاری تھی غیر اردو داں اصحاب بھی شرکت کیا کرتے تھے۔

جناب قادر جاوید کو ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ء کو خازن مقرر کیا گیا۔  
 بعد میں کچھ برس وہ شریک محمد بھی رہے۔ جناب قادر جاوید کچھ برس  
 وابستہ رہنے کے بعد اپنے طوے پر ۶ فروری ۱۹۸۱ء کو مستعفی ہوئے۔  
 اس وقت جناب صادق احمد ہوائی سکرٹری محکمہ قانون صدر اسوسی ایشن تھے۔  
 مختلف اوقات میں سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے جلسوں میں سرسری انجیا  
 وزیر لیبر، ابراہیم علی انصاری، وزیر اوقاف اور جناب ایم۔ بانگلہ ٹریڈ و زیر  
 پنچایت راج ٹریڈ یونٹ نے ہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جناب  
 عابد علی خان نے بھی سکرٹریٹ اسوسی ایشن کچھ بعض سالانہ تقاریب میں شرکت  
 کی تھی۔ جناب تجمل حسین اور بعض مشاہیر بھی ہمارے جلسوں میں ہمانان خصوصی  
 رہے۔ سالانہ جلسے روئدر بھارتی تھیٹر، اندرا پریم دیشی اڈیٹوریم میں ہوا  
 کرتے تھے۔ اُردو دوست خواتین و حضرات کی کثیر تعداد ان تقاریب میں شریک  
 رہا کرتی تھی۔

جیسا کہ اکثر ہوتا ہے جہاں کہیں بھی کسی اچھے کام کی شروعات ہوتی ہے تو کچھ  
 لوگ اچھے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جب اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا  
 تو سکرٹریٹ کے بعض اہباب منفی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے لگے۔ قیام اسوسی ایشن کے  
 ۸ ماہ بعد سکرٹریٹ کے ماحول میں کچھ تبدیلیاں آنے لگیں۔  
 سکرٹریٹ کے بعض اہباب نے اخبارات میں ایک نیوز  
 چھوٹی جس میں بتایا گیا کہ سکرٹریٹ میں کوئی اُردو اسوسی ایشن نہیں ہے بلکہ کچھ لوگ

سکریٹریٹ کا استحصال کر رہے ہیں۔ یہ بات اس وقت بھی جاری تھی جب کہ اسوسی ایشن کے باضابطہ اجلاس شروع ہو چکے تھے۔ لیکن یہ فضا بہت جلد ختم ہو گئی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد کچھ اصحاب نے کچھ الگ الگ ساتھیوں کے ساتھ سکریٹریٹ اسوسی ایشن کے قیام کا اعلان کیا، حالانکہ ایک انجمن کام کر رہی ہے۔ اس اعلان کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا۔ سکریٹریٹ کے سنجیدہ اُردو داں حضرات نے ان سرگرمیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ان سرگرمیوں کے پیچھے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے بعض اصحاب جو انجمن سے نکال دیئے گئے تھے پیش پیش رہے مگر ٹیری ہوشیاری کے ساتھ۔

احاطہ سکریٹریٹ میں اُردو اسوسی ایشن کا پہلا ادبی پروگرام سکریٹریٹ کے کمیٹی ہال میں ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کو ہوا جس کی صدارت صدر اسوسی ایشن جناب بھارت چند کھنہ نے کی تھی۔ جبکہ سرپرست اسوسی ایشن جناب یس۔ اے۔ قادر ایڈیشنل سیکریٹری نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اسوسی ایشن کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ اس کی کوئی رکنیت فیس نہیں ہے۔ عہدیداران اسوسی ایشن کا انتخاب روزانہ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ ہم نے ان برسوں میں آل انڈیا ریڈیو سے بہت سے پروگرام پیش کئے۔ بہت سے اجلاس منعقد ہوئے۔

سکریٹریٹ اسوسی ایشن کا ایک اہم کارنامہ ایک دستاویزی حیثیت رکھنے والا ادبی میگزین ہے۔ جس میں سکریٹریٹ کے اہل قلم عہدیداروں کے علاوہ سکریٹریٹ کے مختلف محکموں میں کام کرنے والے ادب دوست شاعروں، ادیبوں کی تخلیقات شامل ہیں۔ تمام محکموں کی نمائندہ شخصیتوں کے گروپ فوٹوز بھی شامل ہیں۔ اسی



ادبی میگزین کی اشاعت کے لئے مالیہ کی فراہمی کی ذمہ داری اُس وقت کے صدر  
 اسوسی ایشن جناب ایس۔ اے۔ واسح جو آئٹ سکریٹری محکمہ پنچائت راج نے  
 کی تھی۔ جنکا احسان اسوسی ایشن ہمیشہ رہے گا۔ اس ادبی میگزین کے مدیر صلاح الدین  
 تیرہ ہیں۔ یہ دستاویزی ادبی میگزین ۲۴ اگست ۱۹۷۶ء کو شائع ہوا۔ اردو اسوسی  
 ایشن کا ایک شعبہ موسیقی بھی ہے جس کے ارکان ہر سال صنعتی نمائش کے موقع پر نمائش  
 کلب میں میوزیکل ڈرامائی پروگرام پیش کرتے ہیں۔ ۱۲ جولائی ۱۹۷۶ء کو پہلا پروگرام  
 ملا۔ گزشتہ ۲۲ برس سے پروگرامس مل رہے ہیں۔ جناب خواجہ بہاء الدین کے علاوہ  
 مسر عباس ہاشمی، شکیل احمد، سلیم خاں وغیرہ ذمہ داری قبول کیا کرتے ہیں۔  
 سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں، مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ  
 ہال سے وابستہ ہو گئی ہیں۔ ادبی جلسے یہیں یہ ہوا کرتے ہیں۔ ابتداء میں کئی جلسوں  
 تک سکریٹریٹ کے کمیٹی ہال میں اجلاس ہوا کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب سکریٹریٹ  
 میں شعروادب سے دلچسپی لینے والوں کی کمی ہونے لگی تو جلسوں کے لئے جگہ بدل چکی  
 اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجمن کے ذمہ داروں نے اس بات پر غور کیا کہ  
 کیوں نہ اسوسی ایشن کی تعظیم میں کچھ خوشگوار تبدیلی لائی جائے۔ چنانچہ سر یہ ست اسوسی  
 ایشن جناب شرون کمار چیف سکریٹری کی موجودگی میں اسی ہال میں ۶ مئی ۱۹۷۶ء  
 کو منعقدہ سالانہ جلسے میں یہ اتفاق آراء یہ طے پایا کہ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن  
 کی سرگرمیوں میں ریٹائرڈ عہدیداروں اور اسٹاف ممبر کے ساتھ ساتھ برسر خدمت  
 عہدیداروں اور دیگر ملازمین کو بھی اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں شامل کیا جائے۔  
 یہ تبدیلی کامیاب رہی۔ اس تبدیلی کا ایک اچھا اثر پڑا۔

پھر ایک بار ۱۸ اگست ۱۹۹۵ء کو سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی تنظیم جلد  
 ہوئی۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن قدیم کے نام سے سرگرمیاں جاری رکھنے کا  
 فیصلہ کیا گیا۔ اسوسی ایشن کی رجسٹری (3151/95) ۲۷ جون ۱۹۹۶ء عمل میں  
 آئی۔ اس وقت سرپرست اسوسی ایشن جناب شرون کمار سابق چیف سکریٹری  
 حکومت آندھرا پردیش ہیں۔ نائب صدر میں مسرہ غلام احمد، خالد انصاری  
 ایس۔ اے۔ داس، سچ ۷، پلاٹ ۱۱، ڈاکٹر حسن الدین احمد، سعد حسین سعد  
 رمن رائے اور خواجہ معین الدین شامل ہیں۔ جناب تہاب الحسن ریٹائرڈ  
 آئی۔ اے۔ بی۔ صدر، صلاح الدین تیر معتمد عمومی، شکیل احمد معتمد اسوسی  
 ایشن ہیں۔ انچارج شعبہ موسیقی مسرہ خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی اور  
 سلیم خاں ہیں۔ تنظیم جدید کے بعد پہلی تہذیبی تقریب صنعتی نمائش کے موقع پر ۱۲  
 جنوری ۱۹۹۶ء کو نمائش کلب میں منعقد ہوئی۔ ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کی شام مولانا  
 ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں زیرِ صدارت جناب محمود بن محمد آئی۔ بی۔ پس ساقی  
 سیف رہنما برائے سعودی عربیہ ادبی اجلاس ہوا۔ ”سکریٹریٹ ماضی کے آئینہ میں“  
 کے زیرِ عنوان مسرہ صادق احمد سابق صدر اسوسی ایشن، جناب خواجہ معین الدین  
 ریٹائرڈ ایڈیشنل سکریٹری محکمہ ٹرانسپورٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، صدر اور  
 جناب تہاب الحسن نے خیر مقدمی اور صلاح الدین تیر معتمد عمومی نے تعارفی  
 تقریر کی اور اجلاس کی کاروائی چلائی۔ معتمد اسوسی ایشن جناب شکیل احمد  
 کے شکریہ یہ سہیہ ادبی اجلاس اختتام کو پہنچا۔ ۱۹۶۸ء میں آندھرا کے ماحول میں  
 ننگو کلچر کے فروغ کے زمانے میں اُردو اسوسی ایشن کا قیام ایک مجاہدانہ کام تھا۔

ہم نے اپنی زبان اور حسیں اور عباد کی گنجائش تہذیب کے سائبان میں اُردو زبان، اُردو شعر و ادب کو سکریٹریٹ میں بے آسرا ہونے نہیں دیا۔ اسوی ایشن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے پیچھے یہی ایک جذبہ ہے کہ جس باب حکومت (سکریٹریٹ) میں اُردو زبان میں سرکاری کام ہوا کرتا تھا، اس کی یاد باقی رہے۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں انشاء اللہ بہ وقار انداز میں اپنی پوری تہذیبی روایات کے ساتھ جاری رہیں گی۔ اُردو دشمن اُردو تہذیب دشمن لوگوں کی پرچھائیاں تک پھرنے نہیں دی جائیں گی۔

•••

”خوشبو کا سفر“ تو اس لمحہ سے جاری ہے۔ جب سے میں نے خود کو

رفتہ رفتہ محسوس کرنا شروع کیا۔ خود کو محسوس کرنا آسان نہیں ہے لیکن زندگی میں اچانک کچھ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جن سے انسان آشنا ہو جاتا ہے اور اس منصب سے اپنے آپ کو روشناس کراتا ہے۔ اس لئے کہ اپنی پہچان کے لئے دوسروں کی شناخت بھی ضروری ہے۔ ”خوشبو کا سفر“ انسان کو کبھی کبھی لیک مقام پر پہنچنے نہیں دیتا۔ مسلسل سفر، حوصلہ، توانائی اور روح کو تازگی بخشتا ہے۔ یہ سفر ازل سے جاری ہے۔ خوشبو کے سفر کی کوئی آخری منزل نہیں ہوتی۔ خوشبو کے سفر میں وہ

تمام لوگ صدیوں سے شامل ہیں، جنہیں آج تک نہیں معلوم کہ ان کا سفر کہاں ختم ہوگا۔ ”خوشبو کا سفر“ میرے جذبات، احساسات، افکار اور خیالات کا آئینہ دار ہے۔ •••

(خوشبو کا سفر)

## میرا شہر میر کوگ

اس شہر کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے ہم سب ہی واقف ہیں۔ ہمارے شہر کی معطر فضاؤں میں کیا کچھ نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف اُن تمام نعمتوں سے فیضاب ہو چکے ہیں جو ان کی تقدیر کا حصہ تھیں۔ ہمیں بھی حسب استطاعت وہ سب کچھ مل رہا ہے جو ہماری قسمت میں لکھا ہے۔

معاشرہ میں ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ہر قسم کی سرگرمیوں سے واسطہ رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسی راہوں کا بھی انتخاب کرنا پڑتا ہے جن پر چلتے ہوئے تھکن کا احساس نہ ہو۔ شعر و ادب کی دنیا بھی عجیب کیف آور ہوتی ہے۔ جب ایک دفعہ اس کی خوشبو سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ یہ خوشبو ہمیشہ دل و جاں کو مہکاتی رہے۔

ہمارے شہر کی ادبی انجمنیں اپنے اپنے طریقوں سے کام کر رہی ہیں۔ کسی بھی انجمن کے بارے میں منفی رائے رکھنے کا کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا۔ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو اپنے ہم خیال لوگوں کو پہلے تلاش کرتے ہیں۔ ہماری محفلوں کا انداز بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ہر انجمن میں شرکت کرنے والے اہل قلم، اپنے ذوق کے

مطابق محفلوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ ہر انجمن کے شعراء و ادباء کی ایک اپنی فہرست ہوتی ہے۔ ہم جو ایک دوسرے پر گروپ بندی کا ٹھپہ لگاتے ہیں، میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر انجمن کی محفلوں میں ہم خیالی شعراء و ادیب چھ شرکت کرنا پسند کرتے ہیں اور اپنی تہذیبی روایات کا یہ سلسلہ برسوں سے چلا آ رہا ہے اور یہ ایک اچھی بات ہے۔ البتہ قیاحت اس بات میں ہے کہ ہم ایک دوسرے پر گروپ بندی کا التزام لگاتے رہیں تو یہ کہنا چاہیں گا کہ ہر محفل کو پہلے اپنا جائزہ لینا چاہیے اور جب اس کو کس محفل کو آراستہ کرنے کا موقع ملے گا تو اس کے ہاتھ میں قلم دیا جائے کہ شعراء اور ادباء کا انتخاب کرے۔ عملیہ کام بہت مشکل ہے مگر فہرست تو بنانی ہی پڑتی ہے۔ میں اپنے ادب دوستوں سے یہ چاہوں گا کہ اپنے اپنے انداز سے کام کرتے رہیں اور اپنی خوشیاں ترجیحاً اپنے لوگوں میں پہلے بٹھادیں۔

ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایک ایسا ادارہ ہے جس کے نام سے ہی انجمن کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں تمام محبّانِ اردو اس ادارہ کی سرگرمیوں میں شامل رہیں۔ بشرطیکہ تحفظِ ذہنی کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔ ہم اپنی محفلوں کو پیشہ پاک و صاف رکھتے ہوئے بہتر سے بہتر ادبی تقریب منعقد کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا کارواں رواں دواں ہے۔ ہمارے قافلے سا کوئی مسافر تھکا ہوا دکھائی نہیں دے گا۔ چونکہ ہم سب ایک ساتھ چلتے ہیں۔ اس لئے ہم سوچتے ہیں کہ سارا کارواں ہمارا ہے۔ میں شہر کے تمام دانشور و محققین سے خواہش کرتا ہوں گا کہ ہماری محفلوں میں شرکت فرمائیں۔

حیدرآباد میں بہت سی علمی، ادبی، شعری و تہذیبی انجمنیں اور ادارے برپا  
 تھے اردو زبان کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اردو زبان کے تحفظ اور اُس  
 کی ترویج و ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں، جن کی سرگرمیوں کو یہ نظر استعساں دیکھا  
 جا رہا ہے۔ متعلقہ انجمنوں کے ذمہ داران بہتر سے بہتر انداز میں اپنی انجمنوں کی سرگرمیوں  
 کو جاری رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے کچھ  
 ارکان بھی شہر کی بعض انجمنوں اور اداروں سے وابستہ ہیں لیکن مختلف النوع  
 ادبی سرگرمیوں کے باوجود یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ شہر میں ایک ایسی ادبی انجمن بھی قائم  
 کا جائے جس کی ادبی سرگرمیوں میں ہندی اور تلگو زبان کے ادیب و شاعر بھی شریک  
 رہیں، اور اپنے طریقہ کار سے تہذیبی و ہمہ لسانی سرگرمیوں کو بھی فروغ دیتے رہیں، اس  
 خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں نے ”میرا شہر میرے لوگ“ کے نام سے کچھ برس پہلے  
 ایک انجمن تشکیل دی جس کی سرگرمیوں کا عملاً آغاز محکمہ تہذیبی و ثقافتی امور حکومت  
 آندھرا پردیش کے تعاون سے مال والا پیلیس (قدیم شہر) میں منعقدہ قومی یکجہتی  
 لسانی اردو، ہندی، تلگو مشاعرے سے ہوا۔ اس مشاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں  
 مجھے ڈائریکٹر کلچرل آفیسر مسٹر کے۔ وی۔ راجنا چاری (آئی اے ایس) کا بھرپور تعاون  
 حاصل رہا۔ (مسٹر راجنا چاری میرے شخصی دوست ہیں جو اپنی شعری و ادبی و تہذیبی  
 سرگرمیوں کے سلسلے میں مجھ سے نہ صرف مشورہ کرتے ہیں بلکہ مجھ سے تعاون کی خواہش  
 بھی کیا کرتے ہیں) یہ مشاعرہ جو ۲۰ اپریل ۱۹۹۱ء کو مال والا پیلیس میں منعقد ہوا  
 تھا، جناب عابد علی خاں مدیر سیاست نے صدارت کی تھی۔ اس مشاعرے میں  
 اردو، ہندی، تلگو کے مختلف کتب خیال کے (۳۸) شاعر واد نے کلام سنایا تھا۔

اس مشاعرہ میں شعراء کو معاوضہ دیا گیا اور شمال اور ہا کر اُن کی عزت افزائی کی گئی۔ شعراء کو یہ اعزاز جناب عابد علی خاں صاحب کے ہاتھوں دیا گیا۔

”میرا شہر میرے لوگ“ سے وابستہ ہندی کے شاعروں میں نہیال سنگھ درما اور ڈاکٹر اندو وشنٹ قابل ذکر ہیں۔ گلیاں پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگر کے عظیم شاعر ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کا بھی ادارہ کو مکمل تعاون حاصل ہے۔ ان کچھ برسوں کے دوران مختلف اوقات میں ”میرا شہر میرے لوگ“ کے ادبی جلسے اور مشاعرے منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک اہم مشاعرہ جناب عارف قریشی سکریٹری جنرل بزم عثمانیہ جدہ کے اعزاز میں ۸ جولائی ۱۹۹۱ء کو جناب امیر احمد خسرو کی قیام گاہ واقع نزد خاں بازار میں منعقد ہوا تھا جس کی صدارت جناب امیر احمد خسرو نے کی تھی جس میں ڈاکٹر حسن الدین احمد صدر تین اقلیتی کمیشن حکومت آندھرا پردیش اور جناب عارف قریشی سکریٹری جنرل بزم عثمانیہ جدہ نے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اس نمائندہ مشاعرے کو جناب عارف قریشی نے ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ ریکارڈ کیا تھا۔ اس ویڈیو کیسٹ کی رسم اجرا و تقریب بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے جدہ میں منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد نے رسم اجرا انجام دی۔

حیدرآباد کے ایک کہنے مشق شاعر جناب مسعود صدیقی کی یاد میں مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں مشاعرہ ہوا۔ جناب راشد آفر نے صدارت کی۔ مسرہ امیر احمد خسرو، مہین لال نگم اور سعد حسین سعید نے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کو بہ تعاون محکمہ ہندی و ثقافتی

امور آئندہ پر دلش، رویندر ابھارتی تھمڑ میں اعلیٰ پیمانہ پر شام غزل کا  
 اہتمام کیا گیا۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان نے صدارت کی۔ دیوبند میں مناموہی ڈاکٹر  
 جگدیش کمار، مالابراہیم، خان الطہر، کلیم خان نے حصہ لیا۔ ان گلوکاروں نے  
 حیدر آباد کے بقید حیات منتخب شاعروں کا کلام سنایا۔ مسرزدولت اللہ  
 اور خواجہ بہاء الدین معاؤن انچارج تھے۔ جناب اسلم فرستوری نے نظامت  
 کے فرائض انجام دیئے تھے۔ صلاح الدین نیر نے خیر مقدی و تدارفی تقریر  
 کی۔ جناب رئیس اختر معاؤن کنوینر تھے۔ ڈاکٹر جگدیش کمار پروگرام انچارج  
 تھے۔

میں جب یہ حیثیت جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین سے  
 وابستہ ہو گیا تو میں نے اپنا زیادہ تر وقت انجمن ترقی پسند مصنفین کی  
 سکریمیوں کے لئے مختص کیا تھا۔ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا بلا مقابلہ  
 (۶) سال تک جوائنٹ سکریٹری رہا۔ انجمن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۷ برس کے تعطل کے بعد ڈاکٹر حسینی شاہد جرنل سکریٹری انجمن  
 ترقی پسند مصنفین کی خواہش پر ۲۴ مئی ۱۹۸۷ء کو اردو ہال حمایت نگر  
 میں حیدر آباد کے شاعروں، ادیبوں کا ایک اجتماع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر  
 حسینی شاہد نے کی۔ اس اجتماع میں ایک اڈھاک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جناب  
 وابستہ آئندہ کو کنوینر اور مجھے (صلاح الدین نیر) اور جناب نصرت محی الدین کو  
 جوائنٹ کنوینر اور ڈاکٹر حبیب ضیاء کو خازن کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ اجلاس  
 کے کنوینر کے عہدہ کے لئے میرا نام بھی پیش کیا گیا تھا لیکن میں نے ترجیحاً اپنا زمانہ آؤر



کے لئے اصرار کیا۔ راشد آذر نے کنوینر بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ تنظیمی کام انجام دینا مجھ سے ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس بلکہ میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا آپ ہاں کہہ دیجئے انجمن کی ساری ذمہ داری میں سنبھال لوں گا۔ اڈھاک کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۲ جون ۱۹۸۷ء کو زیر مہارت ڈاکٹر راج بہادر گورگور اردو ہال حیات نگر میں منعقد ہوا۔ اڈھاک کمیٹی کا تیسرا اور آخری اجلاس ۲۰ جولائی ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ ۷ جولائی ۱۹۸۷ء، ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء اور ۲۲ اگست ۱۹۹۱ء کو دو دو سال کی معیاد کے لئے انتخابات ہوئے۔ ان تینوں انتخابات میں جناب راشد آذر معتمد عمومی کی حیثیت سے منتخب ہوئے، اور میں شریک معتمد کی حیثیت سے منتخب ہوا۔ جناب نصرت محی الدین صرف پہلی معیاد یعنی ۷ جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۸ جولائی ۱۹۸۹ء کے لئے شریک معتمد رہے۔ ہر معیاد کے لئے علی الترتیب مسر ز اقبال متین، عاتق شاہ اور محترمہ نجمہ ثکیت صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر راج بہادر گورگور ڈاکٹر حسین شاہد پہلی معیاد سے ہی سرپرست رہے۔ انجمن رہے۔ تیسری معیاد میں جناب عابد علی خان بھی سرپرست رہے۔ تیسری معیاد کے لئے جناب رئیس اختر کو معتمد نشر و اشاعت منتخب کیا گیا۔ انتخابات کے لئے ڈاکٹر راج بہادر گورگور میاں پیش کیا کرتے تھے۔ انجمن کے جلسوں کی نظامت میرے ذمہ ہوتی۔ بعض جلسوں کی کاروائی انجمن کے بعض اہلکاروں نے بھی چلائی۔ انجمن کے جلسے وقت مقررہ پر بغیر کسی تاخیر کے شروع کئے جاتے تھے۔ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں جناب راشد آذر اور میں ہم خیال رہتے تھے۔ یہ وگرنہ اس کا ترتیب میں ہم دونوں میں کبھی اختلاف رائے نہیں رہا۔ نہایت خوشگوار انداز

یہ رہا ہی اعتماد کی فضا میں جلسے ہوتے رہے۔ ابتداء میں انجمن کے جلسے اردو ہال میں ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ یکم اکتوبر ۱۹۸۸ء تک جاری رہا۔ پھر وہاں گن فافڈری میں بھی کچھ جلسے ہوئے۔ ۵ مارچ ۱۹۸۸ء سے ہنری مارٹن انسٹیٹیوٹ میں جلسوں کا اہتمام کیا جانے لگا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیوں کے مزید اظہار اور تشہیر کے لئے ۲۱/۲۲ جنوری ۱۹۸۶ء کو کانگریس بھون آڈیٹوریم اور اردو ہال میں انجمن کی دوروزہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں حصہ لینے والوں میں سرزید عابد علی خاں میٹریسٹ، علی سردار جعفری، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد، سید عابد حسین، آئی اے این رکن پلاننگ کمیشن حکومت ہند، ڈاکٹر قمر رئیس، اقبال متین، راجیو سکسینہ (دہلی)، پروفیسر مفتی تبسم، سری لواس لاہوٹی، عاتق شاہ، نجمہ نکیت، ڈاکٹر صادق نقوی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمان، ڈاکٹر حبیب ضیاء وغیرہ شامل تھے۔

کانفرنس کے افتتاحیہ اجلاس کی نظامت کے فرائض میں نے انجام دیئے اس کانفرنس کے سلسلے میں ایک ادبی سوڈیزر (انجمن ترقی پسند مصنفین اردو آئندہ راہ پر دلش کا ترجمان) میری ادارت میں شائع ہوا۔ اس کانفرنس کی شہرت ملک کے سارے ادبی حلقوں کے علاوہ بیرون ملک کی اردو دنیا تک پہنچ گئی۔ انجمن کے ماہانہ جلسوں کی ابتدائی نیوز اور روئیداد کی ترتیب بھی میرے ذمہ تھی۔ اردو اخبارات میں خبروں کی اشاعت کا انتظام بھی میرے ذمہ تھا۔ حیدرآباد کے اردو اخبارات ”سیاست“، ”رہنمائے دکن“ اور ”منصف“ میں انجمن کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹی ہند (دہلی) کے ترجمان

”حیات“ اور ”ہماری زبان“ (دہلی) میں بھی انجمن کی خبروں پابندی سے شائع ہوتی تھیں۔ ملک کے دوسرے اخبارات میں بھی خبروں کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ شہر کے ادبی حلقے جانتے ہیں کہ ان چھ برسوں میں انجمن کی سرگرمیوں کے لئے میں کس حد تک اپنے آپ کو وقف کر چکا تھا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ انجمن سے میری اور میرے ہم خیال بعض شاعروں اور ادیبوں کی بے تعلقی کے کچھ عرصہ بعد جب انجمن کی سلور جوبلی تقاریم ۱۰/۱۱/۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوئی تھیں تو بعض سابق عہدیداروں کو نظر انداز کیا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ عہدیداروں کے نام شرکت کے دعوت نامے بھی نہیں بھجوائے گئے۔ افسوس کی بات تو یہ بھی ہے کہ انجمن کے متعلقہ عہدیداروں نے انجمن کی سرگرمیوں کی رپورٹ میں (جولور جوبلی نمبر میں شائع ہوئی ہے) ان چھ برسوں (۱۷ جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۲ اگست ۱۹۹۳ء کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا بلکہ سر سے ان چھ برسوں کی سرگرمیوں کا جو بام عروج تک پہنچ چکی تھی، نظر انداز کر دیا اور اس دور کے بعض اہم عہدیداروں کا کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ انجمن کے ذمہ داروں کے لئے ایک اچھی بات تھی کہ انجمن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے طور پر ان چھ برسوں کا بھی ذکر کرتے۔ اس طریقہ کار کو اپنا کر عملاً انجمن کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے زیادہ افسوس تو اس بات کا بھی ہے کہ انجمن کے کسی ایک ذمہ دار شخص نے بھی اس بنیادی غلطی کا نوٹس نہیں لیا۔ البتہ ڈاکٹر قمر رئیس نے اپنی رپورٹ میں ان چھ سال کی سرگرمیوں کو اس طرح خراج پیش کیا ہے —

”جہاں تک میرے علم و آگہی کا تعلق ہے گزشتہ ربع صدی (۲ برس مزید) میں کسی زبان، کسی شہر میں ترقی پسند مصنفین کے چلے اس اہتمام اور پابندی سے

تھیں ہوئے جس اہتمام اور پابندی سے

۱۔ اہم و اہم ارادوں کے جلسے حیدر آباد میں ہوئے، نہ صرف جلسے ہوئے بلکہ ان کی تفصیلی روئیداد بھی اخباروں میں شائع ہوتی رہی۔ اس کا سارا کریڈٹ انجمن کی حیدر آباد شاخ کے ہمنویداروں کے سر جاتا ہے۔ جنہوں نے نئے بدلے ہوئے عہدوں کی سختیوں میں بھی انجمن کی مقبولیت اور اس کے شعلہ عروج کی اس سہری روایت کو زندہ رکھا۔“ (انتہاس)

حالانکہ ان چھ برسوں کے دوران ایک دوروزہ کانفرنس بھی ہوئی اور ایک دستاویز ادبی سوویت بھی شائع ہوا۔ وہ سہرا دور بحال آردو اور ترقی پسندوں کو یاد رہے گا۔

انجمن کی چوتھی معیاد کے لئے اگست ۱۹۹۳ء کو اردو ہال میں انتخابات ہوئے۔ چوتھی معیاد کے لئے بھی میں بلا مقابلہ شریکِ محمد منتخب ہوا۔ انتخابات کے وقت انجمن کا حوالہ سر برد ہوا تھا۔ اس انتخاب میں جناب رحمن جاتی کو جو تیسری معیاد کے لئے نائب صدر منتخب کئے گئے تھے قطع نظر کیا گیا۔ یہاں تک اُنہیں رکنِ عاملہ کی حیثیت سے بھی منتخب نہیں کیا گیا۔ اجلاس میں کوئی ایک رکن بھی رحمن جاتی کے عہد میں نہیں تھا۔ مجھے اجلاس کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ چنانچہ میں نے اجلاس کے نوے بعد نئے منتخب صدر محترمہ نجمہ نکمت کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ بعد میں مختلف ذرائع

سجھ کر امرار کیا گیا کہ میں اپنا استعفیٰ واپس لے لوں۔ یہاں تک کہ جناب رحمن آڈر نے بھی کہا کہ اگر آپ انجمن سے وابستہ نہیں رہیں گے تو میں بھی نہیں رہوں گا۔ دو چہرے کے بعد تو مسئلہ کو عاملہ میں پیش کیا گیا۔ لیکن میں اپنے سابقہ فیصلہ پر قائم رہا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین سے بے تعلق کے بعد میں نے ادارہ میر شہر میرے لوگ کی

سرگرمیوں کو کچھ زیادہ ہی متحرک کیا۔

ادارہ میگزین شہر میرے لوگ، کے مشاورتی اجلاس (دسمبر ۱۹۹۳ء) کی روشنی میں جناب رحمن جاتی کو صدر ادارہ بنایا گیا۔ مجھے متحدہ جمہوری اور جناب رئیس اختر کو متحدہ کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ادارہ کی عظیم جہد عمل میں آئی۔

اقتتاحی اجلاس ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء بمقام پیری مارٹن انسٹیٹیوٹ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے افتتاح کیا۔ جناب خلیل الرحمن سابق ایم۔ پی۔ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ادارہ کی سرگرمیاں اُس وقت عروج پر رہیں جب ہم نے مختلف موضوعات پر مذاکروں کا آغاز کیا چنانچہ ادارہ کی جانب سے ادب میں نظریاتی اختلافات آزادی تحریر و تقریر تنقید کے مثبت و منفی پہلو، ستاروں سے آگے، قول و فعل میں تضاد، ترقی پسندی اور جدیدیت، جامعات میں اردو، اردو کے خدمت گزار، اردو اور روایتی خاموشی وغیرہ جیسے موضوعات پر مذاکرے ہوتے رہے۔ ان مذاکروں میں ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش، پیر و فیروز جعفر نظام سابق وائس چانسلر اکائیٹیو یونیورسٹی ورنگل، پیر و فیروز وینکٹا راؤ سابق صدر نشین کالج سرسوں کمیشن حکومت آندھرا پردیش، خلیل الرحمن سابق ایم۔ پی، ڈاکٹر موہن لال نکم، پیر و فیروز احمد اللہ خاں شعبہ تاتویں جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ، ہاشم حسن سعید، پرنسپل کالج آف لنگویجن، اور ایسے کئی ممتاز دانشور ان شعرو ادب حصہ لیتے رہے۔ تمام مذاکروں کے موضوعات بھی اپنے احباب کی مشاورت سے میں

ملے کیا کرتا تھا۔ تمام مذاکروں کی روئیداد خود میں ترتیب دیتا تھا جو شہر کے اردو  
 اخبارات 'سیاست'، 'مرہٹائے دکن'، اور 'منتصف' میں نمایاں طور پر دو دو، تین  
 تین کالموں کی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ ان مذاکروں کی شہرت نہ صرف  
 ہندوستانی بلکہ بیرونِ عالمک امریکہ، کناڈا، لندن، سعودی عرب اور خلیجی ممالک  
 تک پہنچ گئی۔ اس نوعیت کی تحفلیں تقریباً پڑا سال تک جاری رہیں۔ جب ہم نے  
 یہ محسوس کیا کہ تقریباً اہم موضوعات پر مذاکرے ہو چکے ہیں تو ہم نے مذاکروں کو ایک  
 نیا موڑ دے کر ایک نئے انداز سے 'مجالوں کے مسافر' اور 'اوراقِ ماضی' کے زیرِ عنوان  
 جلسوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ان عنوانات کے تحت جلسوں کے انعقاد سے پہلے  
 ہمیں ایک نئی صورتحال سے گزرنا پڑا۔ بعض ہم خیال دوستوں نے اپنے طور پر  
 یہ فیصلہ کیا کہ علحدہ علحدہ انجمنوں کے ذریعہ اردو زبان کی خدمت کی جاتی رہے  
 چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر ادارہ سے علحدگی اختیار کر لی۔ ایسی صورت میں  
 ادارہ میرا شہر میرے لوگ، کئی پھر ایک بار ۱۹۹۵ء کو شہر میں جاری  
 میں لائی گئی۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی، ڈاکٹر سید  
 عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو، اندھرا پردیش، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس  
 چانسلر ساکتیہ یونیورسٹی ورنگل، پروفیسر دینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سرو  
 کمیشن حکومت اندھرا پردیش اور جناب خلیل الرحمن سابق رکن پارلیمنٹ  
 ادارہ کی سرپرستی قبول کر لی۔ صدر، صلاح الدین نیر، نائب صدر، ڈاکٹر علی احمد  
 ڈاکٹر صادق تقویٰ، نپیاں سنگھ ورنگل، ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر  
 ندو دشت معتمد عمومی جناب رئیس اختر، معتمد جناب مومن خاں شوق اور اراکین

عالم سرز ناصر کرنولی، ہاشم حسن سعید، قاضی انجم عارفی، شفیع اقبال، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، مہمان منظور، اثر غوری، اور فاروق عارفی ہیں۔

جب ہمارے علمبردار شدہ دوستوں نے اپنی انجمنوں کی سرگرمیوں کا

آغاز کیا تو یوں بھی ہوا کہ اس اثنا میں ہمارے ایک شاعر دوست نے شہر کے کچھ شاعروں کی شخصیت پر ایک مقامی اردو اخبار میں اپنی ایک قابل اعتراض نظم چھپوائی۔ اس نظم کا رد عمل کچھ اس طرح ہوا کہ ہمارے شہر کے ایک اور شاعر نے جو اب ایک نظم اسی اخبار میں چھپوائی۔ لیکن اس کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا، بلکہ حیدرآباد کے ایک نیم روزی رسالے میں حیدرآباد کے کچھ شاعروں کے بارے میں (خاکہ کے نام پر) انتہائی اہانت آمیز اور قابل اعتراض مضمون شائع کروایا گیا۔ جو اب کچھ مخالف عناصر نے تلخ و غیر شائستہ لہجہ میں تین طویل نظموں کو جنم دیا۔ جو سینکڑوں کی تعداد میں سارے ہندوستان میں پھیلا دی گئیں۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ شہر کے اور اضلاع کے بیشتر شاعروں اور ادیبوں نے ان نظموں کا ذکر کیا۔ شہر کے ادبی حلقوں نے پہلی اور دوسری دونوں حرکتوں کے ذمہ داروں کی سخت مذمت کی۔ (یہ واقعہ بھی ہے کہ شہر کے ادبی حلقوں کو پہلی دفعہ اس قسم کی تحریر اور اس قسم کی تلخی پڑھنے کو ملے۔)

۱۹۹۵ء

میرا شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں کا آغاز ہمارے پہلے سے پوری توانائی کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس ادارے کے ادبی جلسوں کے انعقاد کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ کو منتخب کیا گیا۔ میں نے اپنے احباب کے لئے یہ تجویز رکھی تھی کہ ”مجانوں کے مسافر“ کے زیر عنوانی بقا حیات

شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور معاشرہ کی بعض اہم شخصیتوں کی خدمات کو  
 خراج پیش کرنے اور مرحوم شاعر علی، ادیبوں، صحافیوں کی خدمات کے اعتراف  
 میں ”ادباقِ ماضی“ کے زیرِ عنوان ادارہ کی سرگرمیوں کا آغاز کیا جانا چاہیے،  
 قوم کے احیاء نے میری اس تجویز کو پسند کیا۔ اُجبالوں کے مسافر، کے زیرِ عنوان  
 تاحال علی احمد جلیلی، ایم۔ یاکار پڈی، عبدالرحیم آزاد، محمد عوث، بھیل پاشا، مظہر ظفر،  
 اور شری مانگ رام کے اعترافِ خدمات کے جلسے منعقد کئے جا چکے ہیں۔ اسی طرح  
 ”ادباقِ ماضی“ کے تحت ممتاز شعراء اور جلیلی، سلیمان اریب، شاہد صدیقی،  
 خیرات ندیم، اور ممتاز ادیب و محقق پروفیسر سید محمد کی خدمات کو خراجِ عقیدہ  
 پیش کیا گیا ہے۔

ادارہ کے زیرِ اہتمام رسمِ اجراءِ تقاریر کے علاوہ بعض خصوصی اجلاس  
 بھی منعقد کئے جاتے رہے ہیں۔ رسمِ اجراءِ تقاریر میں صلاح الدین نیر کا مجموعہ کلام  
 ”کیا کیا جائے“ (راج بھون)، جناب بشیر احمد کا مجموعہ کلام ”آئینہ حیات“  
 (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ)، ”پرنس شہامت جاہ کے مجموعہ کلام“ شیخ قرظان  
 (قرنِ وک) اور ”فیضانِ رسول“ (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ) (حیدر آباد کے  
 ۳۳ شاعروں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ) مرتب صلاح الدین نیر، زیرِ نگرانی جناب  
 عارف قریشی، وقار ریاض کے مجموعہ کلام ”قلم بولتا ہے“ (ابوالکلام آزاد انسٹی  
 ٹیوٹ)۔ ”یادِ رنگان“ کے سلسلے کے جلسے والا شانِ معظم جاہ شیخ (ابوالکلام  
 آزاد انسٹی ٹیوٹ) اور عظمتِ عبدالقیوم کی شاعرانہ عظمت — (شاہ منزل  
 ہائش نگاہ ڈاکٹر وزارتِ رسول خاں) منعقد ہوئے۔



ادارہ میرا شہر میرے لوگ، کے مشاعروں میں ادب دوست حضرات کی خاصی

تعداد شریک لہتی ہے۔ ہمارے جلسوں کی کامیابی کا سہرا ہمارے شہر کے اردو اخباروں سیاست، رہنمائے دکن، اور منصف، کے سر جاتا ہے۔ ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ میرا شہر میرے لوگ، کے جلسوں کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی ہیں جس کے لئے ہم ان تینوں اخباروں کے ذمہ داران کے ممنون ہیں بعض جلسوں کو آل انڈیا ریڈیو (اردو سیکشن) کے پروگرام انٹرکلیو جناب اسلم فرشتہ کی زیر نگرانی ان کے معاونین کے تعاون سے ریکارڈ کئے گئے۔ اسی طرح اردو نیوز سیکشن کے سربراہ جناب شجاعت علی اور محترمہ رانی (مہ جبین صاحبہ) کے بھی ہم ممنون ہیں۔

ہمارے مشاعروں میں وابستگان ادارہ میرا شہر میرے لوگ، کے مشاعروں کے علاوہ شہر کے بعض نامزدہ شعراء بھی کلام سنایا کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی محفلوں کے دروازے ایسے تمام شاعروں کے لئے کھلے رکھے ہیں جو زندگی کی مثبت انداز کی پاسداری کرتے ہیں ہمارے جلسوں میں صدر و مہمان خصوصی اور مقررین کی حیثیت سے شرکت کرنے والوں کے کچھ نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، سنارے سابق وائس چانسلر تلگو ریونیورسٹی، ڈاکٹر سید عبدالمنان صدراجنز ترقی اردو آئندہ ہر پردیش، پروفیسر جعفر نظام سب، وائس چانسلر کالجیو ریونیورسٹی درنگل، پروفیسر وینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سرسہ کیشن حکومت آندھرا پردیش، ڈاکٹر موہن لال انکم، ڈاکٹر حسن الدین احمد، محمودین محمد خلیفہ پروفیسر مفتی تبسم، پروفیسر احمد اللہ خاں، پروفیسر حبیب ضیا، ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل، ڈاکٹر صادق نقوی، نبیل سنگھ درہا، ہاشم حسن سعید، ڈاکٹر اکبر علی بیگ وغیرہ۔ شعر کے رفہم

کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔ سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، امیر احمد خسرو، خواجہ شوق، راشد آرزو، ناصر کر لئی، ڈاکٹر صادق نقوی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، نہیال سنگھ دروا، منوہر لال بھارتی، حسن فرخ، علی الدین لویڈ، شقیق اقبال، اختر غوری، اکمل حیدر آبادی، قافی، انجم عارفی، منظور احمد منظور، مومن خاں شوق، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، منان منظور، پرنس شہامت جاہ، نانک سنگھ نشتر، جگجیون لال استھانہ سحر، یوسف یکتا، شاغل آزاد، جوہر ہاشمی، امیاجی رائے شاد، پرشوتم پرشانت، ڈاکٹر باغیاہرہ سعید، ڈاکٹر اندو وشمسٹ، ڈاکٹر انلیا مشر اوغیرہ۔ افلاک کے بعض شاعر جلال الدین عارف (جبر چیرلہ) جمیل نظام آبادی، عبدالرحیم آرزو، محبت کوثر، وقار ریاض (گلبرگ)، عبدالعزیز عزیز (محبوبنگر)، علیم پرواز، (کریمنگر)۔

ادارہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت میں مزید اضافہ کے لئے، فروری ۱۹۹۶ء شاہن نواز ہاں (انٹرف ولاء) طے پائی میں ایک مشاورتی اجلاس زیر صدارت صلاح الدین نیر منعقد ہوا۔ یہ طے کیا گیا کہ سالانہ جلسہ کے موقع پر ادبی میگزین شائع کیا جائے جس کے صلاح الدین نیر مدیر ہوں گے۔ اور مجلس مشاورت میں مسرر رئیس اختر، مومن خاں شوق اور منان منظور شامل ہیں۔ جس میں ادارہ سے وابستہ شاعروں کے منتخب کلام کے علاوہ عہدیداران و ارکان ادارہ کی تصویریں بھی شامل کی جائیں گی۔ اس میگزین میں ادارہ کی سرگرمیوں پر مشتمل روئیدادیں بھی شامل ہیں جن کو معتمد ادارہ جناب مومن خاں شوق نے مرتب کیا ہے۔ میگزین میں معتمد عمومی ادارہ جناب رئیس اختر کی رپورٹ بھی شامل ہے۔

انجن کے مالیہ کے استحکام کے سلسلے میں (یہ شکل اشتہارات) جناب منان منظور

رکنِ عالمہ کا تعاون سرفہرست ہے۔ (جن کا ادارہ ہمیشہ ممنون رہے گا) مسز فاروق عارفی  
ڈاکٹر تسکین، تاجی جاوید عارفی، سعید بھائی (الفلاح)، سید عارف ید اللہی، سلطان ہندی،  
غلام صادق الدین، رام کمار تیواری، حسینی مشتاق، راجہ رام نواس اگر وال، درویش  
غیاث الدین، آر۔ نانک رام، جگجیون لال سحر، کال تعاون حاصل رہا۔

ادارہ کے جنرل سکریٹری جناب رئیس اختر نہایت پابندی اور خوش اسلوبی  
کے ساتھ ادارہ کی محفلوں کی نظامت کے فرائض انجام دیا کرتے ہیں۔ ادارہ کے مختلف  
امور کا ادبی تقاریر کے سلسلے میں بھی ان کے مشوروں کو اہمیت حاصل ہے۔

اسی طرح معتمد ادارہ جناب مومن خاں شوق کا ادارہ کو بھرپور تعاون حاصل ہے۔ جناب  
مومن خاں شوق مشاعرے کی معمدی کے فرائض نہایت عمدگی اور سلیقے سے انجام دیتے  
ہیں۔ ادارہ کی سرگرمیوں میں ان کا سرگرم عمل رہنا، ادارہ کی مقبولیت اور ارتقاء

میں ایک اہم رول کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دونوں عہدیدارانِ ادارہ کا یہ ممنون  
ہوں۔ ادارہ کے رکنِ عالمہ جناب منان منظور کی مشاورت ہر اہم فیصلہ کے موقع  
پر مفید ثابت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر ارکانِ ادارہ کے مشورے بھی ہماری ادبی

سرگرمیوں میں معاون ثابت ہوا کرتے ہیں۔ رکنِ عالمہ ادارہ ممتاز شاعر جناب  
شیخ اقبال نے اپنے فنِ خوشنویسی سے ہر وقت تعاون کرتے ہوئے ادارہ کو سرخرو  
ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں، جس کے لئے ادارہ ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ میں

اُردو اکیڈمی کے تعاون کے لئے بھی ممنون ہوں۔ ••

## حیدرآباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین

سکرٹریزین دکھنا اب وہاں میں تاثیر کچھ ایسی ہے کہ یہاں کے رہنے بسنے والے زندگی کے ہر شعبہ میں سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اپنی شناخت اپنی پہچان کا اپنی انفرادیت کے لئے اپنا ایک خاص انداز رکھتے ہیں۔ پیار، محبت، اس شہر کی شانستہ روایتیں، دکھ، درد کو پہنانے کی صلاحیتیں اور ہمہ تنی ایسم درواج، اپنے بزرگوں کی مقدس اوقات کی طرح لوگوں کی زندگی میں پرچا پس گئے ہیں۔ ہر شخص زندگی کی حرارت کو محسوس کرتا ہوا سلسلہ میں سانس لینا چاہتا ہے۔ ایسا محنت مند سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

زندگی کے مختلف شعبوں کی طرح ہمارے شہر کی علمی، ادبی و تہذیبی سرگرمیاں بھی دور میں ماند نہیں پڑیں۔ عمدہ روایتوں کا تسلسل آج بھی جاری ہے۔ اب بھی ہمارے شہر میں بہت سی علمی، ادبی و تہذیبی انجمنیں اپنے اپنے طریقوں سے کام کر رہی ہیں۔ نظریاتی اختلافات کے باوجود یہاں ہر مکتبہ خیال کے ادیب و شاعر اردو زبان و ادب کے نام پر ایک مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں اور اس بات کی غلصہ کو شش کرتے ہیں کہ اردو زبان، اردو تہذیب اور اردو شعر و ادب کے تحفظ و بقا میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔

ہمارے شہر میں جہاں کا سیکڑا، اقدار کی پاسداری کرنے والے شاعر و ادیب موجود ہیں وہیں ہم کو ترقی پسند رجحانات کے حامل اور جدیدیت کے ہم نوا بھی ملیں گے۔ یہ قلم کار زبان و ادب تہذیب و ادب کی بقا کے لئے وقت پڑنے پر ایک آواز بن جاتے ہیں۔ ان کے قلم کی خیالی کے اہل قلم اپنے شعری و ادبی نظریات کی تشہیر و ترویج کے لئے مجلس آزاد آواز بن جاتے ہیں۔

حیدرآباد میں بھی ترقی پسند تحریک کی ایک نمایاں تاریخ رہ چکی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے روح رواں جناب سجاد ظہیر صاحب ۱۹۳۵ء میں انگلستان سے ہندوستان لوٹے تو انہوں نے ملک کے نوجوانوں، شاعروں اور ادیبوں کو اس تحریک سے روشناس کراٹنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ جناب سبط حسن نے جو ان دنوں قاضی عبدالغفار کے اخبار "پیام" میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ حیدرآباد کے نوجوان شاعروں، ادیبوں کو اس تحریک سے وابستہ ہونے کی ترغیب دی۔ جناب مخدوم محی الدین کی سرکردگی میں جولائی ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے حیدرآباد کے ایسے بیشتر شاعر و ادیب دلچسپی لینے لگے جن کا مزاج زندگی کی روشن علامتوں اور حیات کی مثبت قدروں سے ہم آہنگ تھا۔ رفتہ رفتہ بہت سے متوازن فکر و خیال کے حامل شاعر و ادیب بلا جھجک اس تحریک سے دلچسپی لینے لگے اور اس طرح ایک کاروان بنتا گیا اور ہر وہ تخلیق کار ترقی پسندوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا جو ظلم و استبداد، عدم مساوات، حق تلفی اور صداقت گریزی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہو۔ ویسے بھی سورج کو سورج کہنا اچالو کی تمنا رکھنا، مٹھاسوں میں رہ کر بھی زندگی کو تلاش کرنا اور نئے صبح کے لئے رات بھر جاگنا ترقی پسندی ہی تو ہے۔

حیدرآباد میں ۱۹۳۷ء میں مخدوم محی الدین کی سرکردگی میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی شاخ قائم ہوئی۔ جناب عابد علی خاں انجمن کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۴۶ء سکریٹری کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ جناب عابد علی خاں کے بعد سلیمان آزاد اور پھر اخت حسن انجمن کے معتمد رہے۔ جب ملک تقسیم ہوا، حیدرآباد پر پولیس ایکشن ہوا تو اس دور کے حالات کی روشنی میں انجمن کی سرگرمیوں کی نوعیت بہت کچھ بدل گئی۔

نئے حالات کے لحاظ سے نئے نئے مسائل سے سابقہ پڑتا رہا۔ پھر چند برس گزرنے کے بعد ممتاز پسند ادیب ڈاکٹر حسینی شاہد نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے احیاء کیلئے ۱۹۷۶ء میں اردو ہال میں شاعروں اور ادیبوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر حسینی شاہد کو جنرل سکریٹری، نامہ نگار کوٹریکٹر، محمد منتخب کیا گیا۔ جناب میر حسن صدر، اقبال مبین نائب صدر منتخب ہوئے۔ اس دورِ وقت گزشتہ انجمن کے جلسے ہوتے رہے۔ پھر انجمن کی سرگرمیوں میں تعطل پیدا ہوا۔ (۱۷) برس کے تعطل کے بعد ڈاکٹر حسینی شاہد نے پھر ایک بار انجمن کی احیاء کے لئے شاعروں، ادیبوں کو اردو ہال میں جمع کیا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کی خواہش پر ۲۴ مئی ۱۹۸۷ء کو اردو ہال حمایت نگر میں حیدر آباد کے شاعروں اور ادیبوں کا ایک اجتماع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر حسینی شاہد نے کی۔ اس اجتماع میں ایک اڈھاک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جناب راشد آذر کو کنوینر، صلاح الدین نگر اور نصرت محی الدین کو جوائنٹ کنوینر اور ڈاکٹر مجیب ضیاء کو خازن کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں کنوینر کے لئے میر انام بھی پیش کیا گیا۔ لیکن میں نے ترجیحاً جناب راشد آذر کے نام پر اصرار کیا۔ جناب راشد آذر نے کنوینر بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا، تنظیمی کام انجام دینا مجھ سے ممکن نہ ہو سکے گا۔ تب میں نے تہمتیں دیا کہ آپ ہاں کہہ دیجئے۔ انجمن کی ساری ذمہ داریاں میں سنبھال لوں گا۔ اڈھاک کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۲ جون ۱۹۸۷ء کو اردو ہال میں زیر صدارت ڈاکٹر راج بہادر گور منعقد ہوا۔ اڈھاک کمیٹی کا تیسرا اور آخری اجلاس ۱۰ جولائی ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ ۷ جولائی ۱۹۸۷ء، ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء اور ۲۳ اگست ۱۹۹۱ء کو دو دو سال

کی معیاد کے لئے انتخابات ہوئے۔ ان تینوں انتخابات میں جناب راشد آذر معتمد عمومی  
 کا حیثیت سے منتخب ہوئے۔ اور میں شریک معتمد کی حیثیت سے منتخب ہوا۔ جناب  
 نصرت محی الدین صرف پہلی معیاد (۱۷ جولائی ۱۹۸۸ء تا ۲۸ جولائی ۱۹۸۹ء) کے لئے  
 شریک معتمد رہے۔ ہر معیاد کے لئے علی الترتیب سرزاقبال مین، عاتق شاہ اور نجمہ  
 کہت صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد اور بعد میں عادل علی  
 صاحب بھی انجمن کے سرپرست رہے۔ تیسری معیاد کے لئے جناب رئیس اختر  
 کو معتمد شرف اشاعت منتخب کیا گیا۔ ہر انتخاب کے لئے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر  
 پیش کرتے تھے۔ انجمن کے جلسوں کی نظامت میرے ذمہ رہتی۔ بعض جلسوں کی کاروائی  
 انجمن کے دیگر عہدیداران نے بھی چلائی۔ انجمن کے جلسے وقت مقررہ پر بغیر کسی تاخیر کے شروع  
 کئے جاتے تھے۔ ایک دفعہ تو صرف ایک سامع کی موجودگی میں جلسے کا آغاز کیا گیا اور میں  
 لوگ آتے رہے۔ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں جناب راشد آذر سید ہم خیال رہے  
 پروگرامس کی ترتیب میں بھی ہم آہنگی رہتی۔ نہایت خوشگوار انداز میں باہمی اعتماد کی نف  
 میں جلسے ہوتے رہے۔ ابتداء میں انجمن کے جلسے اردو ہال میں ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ یکم کتوبر  
 ۱۹۸۸ء تک جاری رہا۔ یہ وہاں ہال (گن فاؤنڈری) میں بھی کچھ جلسے ہوئے۔ ۵ اکتوبر  
 ۱۹۸۸ء سے ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ میں جلسوں کا اہتمام کیا جانے لگا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیوں کے مزید اظہار و تشہیر کے لئے ۲۱  
 ۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء کو گاندھی بھون آڈیٹوریم اور اردو ہال میں انجمن کی دو روزہ کانفرنس  
 منعقد ہوئی۔ افتتاحیہ اجلاس کی صدارت جناب عابد علی خاں مدیر سیاست نے کی تھی۔  
 کانفرنس میں حصہ لینے والوں میں سرمد علی ہر دار جعفری، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی

قمر رئیس (دہلی)، سید عابد حسین آئی۔ اے۔ ایس، رکن پلاننگ کمیشن حکومت ہند، راجیو سکیٹ  
سکرٹری آل انڈیا فیڈریشن آف پروگریسیو رائٹرز (دہلی)، اقبال متین، پروفیسر مغنی تبسم  
سری نواس لاپوٹی، محقق شاہ، نجمہ نہکت، ڈاکٹر صادق نقوی، ڈاکٹر مصطفیٰ اکمل، ڈاکٹر حبیب  
ضیاء شامل تھے۔

کانفرنس کے افتتاحیہ اجلاس کی نظامت کے فرائض میں نے انجام دیئے۔ اس کانفرنس  
کے سلسلے میں ایک ادبی سوسائٹی (انجمن ترقی پسند مصنفین) اردو آندھرا پردیش کا ترجمان) میری ادارت  
میں شائع ہوا۔ اس کانفرنس کی شہرت ملک کے سارے ادبی حلقوں کے علاوہ بیرون ملک کی  
اردو دنیا تک پہنچ گئی۔ انجمن کے ماہانہ جلسوں کی ابتدائی یوز اور روداد کی ترتیب بھی میرے  
ذمہ تھی۔ اردو اخبارات میں خبروں کی اشاعت کا اہتمام بھی میرے ہی ذمہ تھا۔ حیدرآباد کے اردو  
اخبارات، سیاست، رہنمائے دکن، اور مصنف ہیں، انجمن کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی تھیں  
حیات (دہلی)، ہماری زبان (دہلی) کے علاوہ ملک کے اردو اخبارات میں بھی انجمن کی خبریں شائع  
ہوتی تھیں۔

شہر کے ادبی حلقے جانتے ہیں کہ ان چھ برسوں میں انجمن کی سرگرمیاں کس قدر فعال  
تھیں۔ جب میں اور میرے کچھ ہم خیال ساتھی انجمن سے بے تعلق ہو گئے تو کچھ عرصہ بعد انجمن کی سلاطین  
جوہلی تقاریب ۱۰/۱۱/۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوئی، لیکن اس کانفرنس کے سلسلے میں کچھ  
ایسا بھی ہوا کہ اس کانفرنس میں انجمن کے سابقہ سرگرم عمل عہدیداروں کے نام دعوت نامے نہیں  
ملے۔ انجمن کے متعلقہ عہدہ داروں نے انجمن کی سرگرمیوں سے متعلق رپورٹ چھوڑ دی (سلاطین جوہلی تقاریب)  
میں شائع ہوئی ہے۔ ان چھ برسوں کی سرگرمیوں کو جو بام عروج پر تھیں، نظر انداز کر دیا۔ اس  
دور کے بعض اہم عہدیداروں کا کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ اس بات کی جناب راشد آزر  
نے بھی شکایت کی۔ انجمن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے لئے



اینا چھ برسوں کی سرگرمیوں کا ذکر نا انجمن کے مفاد میں ہوتا۔ یہ کچھ ایک عجیب بات ہے کہ انجمن کے کسی ایک ذمہ دار شخص نے بھی اس بنیادی غلطی کو محسوس نہیں کیا، البتہ ڈاکٹر قمر رئیس جنرل سکریٹری مرکزی انجمن ترقی پسند مصنفین نے اپنی رپورٹ میں کچھ اس طرح خراج پیش کیا ہے۔ (سلور جوبلی نمبر ۱۹۹۵ء)

”و جہاں تک میسر علم و آگہی کا تعلق ہے گزشتہ ربع صدی (چھ برس مراد میں) میں کسی زبان، کسی شہر میں ترقی پسند مصنفین کے اس اہتمام اور پابندی سے نہیں ہوئے جس اہتمام اور پابندی سے ادیبوں کے جلسے حیدرآباد میں ہوئے۔ نہ صرف جلسے ہوئے بلکہ ان کی تفصیلی روداد اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔ اس کا سارا کریڈٹ انجمن کے حیدرآباد کی شاخ کے عہدیداروں کے سر جاتا ہے جنہوں نے نئے بدلتے موسموں کی سختیوں میں بھی انجمن کی مقبولیت اور اسکی تعلیمی روح کی اس سنہری روایت کو زندہ رکھا۔“

(آئینہ اس ”سلور جوبلی نمبر ۱۹۹۵ء“)

# “فیضانِ رسولؐ”

( حیدرآباد کے ۳۳ شاعروں کی منتخب اشعار کا مجموعہ )

جلد ۱ ( سعودی عرب ) کٹعلی، ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کے روحِ رواں  
شہرِ محبت حیدرآباد کی تہذیبی روایات کے پاسدار، اردو زبان کے بے لوث خدمت  
گزار، جناب عارف قریشی نے جلد میں جب ستمبر ۱۹۹۲ء کو نرم عثمانیہ جلد کے  
زیرِ اہتمام عظیم الشان پیمانے پر عالمی مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا تو اس میں حیدرآباد کے  
شعراء جناب امیر احمد خسرو، صلاح الدین نیر اور رئیس اختر کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس  
اُس مشاعرہ میں ہندوستان سے بشمول حضرت علامہ بارہ بنکونی و گیارہ شاعروں نے  
سہ شرکت کی تھی۔ ممتاز قانون داں پیرسٹر سردار علی خاں نے مشاعرہ کا اختتام کیا  
تھا۔ اس تاریخی مشاعرہ کی صدارت مدیر ”شہج“ جناب ادیس دہلوی نے کی تھی۔ یہی  
مشاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں ہندوستان میں میزبانی کے فرائض میں صلاح الدین  
نیرؒ نے انجام دیئے تھے۔ ہندوستانی شعراء کے سفر کے سارے مراحل سے میں گزرتا  
رہا۔

جلد میں قیام کے دوران جناب عارف قریشی نے ہم حیدرآبادی شاعروں کے  
لئے نہ صرف طوافِ گوانہ، کعبہ اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے بلکہ  
مدینہ منورہ کے علاوہ دیوارِ کعبہ، نغرا، رسولِ پاکؐ کے قدموں میں بیٹھنے اور دیارِ حبیب  
کے فیوض و برکات سے فیضِ یاب ہونے کا اہتمام کیا۔ ہمیں مکہ اور مدینہ کے تمام اعلیٰ

جناب عارف قریشی جدہ میں تھے۔ حضرت مرزا شکور بیگ کے مجموعہ کلام کی اشاعت کے سلسلے میں زیادہ تر دنوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جدا کا شکریہ ہے کہ میں جناب عارف قریشی کی دی ہوئی ذمہ داری سے بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہوسکا۔ کتاب کی اشاعت کا کام میں نے عرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور جناب عارف قریشی کے اتحاد کی بنیاد پر بے لوث انداز میں انجام دیا۔ اس اثنا میں اشتاعتی پیر و گرام کے سلسلے میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی۔ مولانا شیخ احمد شطاری کامل کے نعتیہ مجموعہ کلام کی اشاعت کا مسئلہ درپیش آیا۔ عارف قریشی کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کامل کے نعتیہ کلام کا مجموعہ شائع ہو۔ اس سلسلے میں مولانا سید قبول پاشاہ سے تعاون کی درخواست کی گئی لیکن مکمل توجہ دہانی کے باوجود بھی مسودہ میرے حوالے نہیں کیا گیا۔ (عارف صاحب چاہتے تھے کہ ان کے حیدر آباد آنے سے قبل کم از کم کتابت کا کام انجام پائے) مولانا قبول پاشاہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ مسودہ ترتیب دیا جائے گا جس کے لئے کچھ زیادہ ہی وقت درکار ہوگا۔ غالباً ان کی معروضیات کی وجہ سے کوئی صورت نکل نہیں آئی۔ جب عارف صاحب جدہ سے کچھ دنوں کے لئے حیدر آباد آئے تو انہوں نے قبول پاشاہ سے ربط پیدا کیا تو جواب ملا کہ ایک دیرینہ ماہ کا وقت لگے گا۔ عارف قریشی چاہتے تھے کہ فی الفور مسودہ مل جائے تاکہ ان کی واپسی جدہ (۱۵ اگست ۱۹۹۵ء) تک کتابت شائع ہو۔

جب میری کتاب کی اشاعت کا سوال آیا تو میں نے عارف قریشی صاحب سے کہا کہ میری اور مجھ سے متعلق بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ میں نے مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو حیدر آباد کے کچھ نامزد شاعروں کی منتخب لہجوں

پر مشتمل مجموعہء کلام شائع کیا جاسکتا ہے۔ عارف قریشی صاحب کو میری یہ تجویز پسند آئی لیکن مسئلہ وہی تنگئی وقت کا تھا۔ (۲۵ دن کے اندر کتاب کی اشاعت)۔ میں نے پورے اعتماد کے ساتھ وقت کا چیلنج قبول کیا اور اپنی ذمہ داری نبھائی۔ یہ اور بات ہے کہ ”فیضانِ رسول“ کی اشاعت کے تمام مراحل سے گزرنے کیلئے مجھے کافی وقت دینا پڑا۔ ”فیضانِ رسول“ میں حیدرآباد کے ۳۳ شاعروں کی ۴۴ نعتیں شامل ہیں۔

••

زندگی کی سچائی، روشنی کے وجود کی پاسداری اور شفقت احساسات، میرے ذہن و فکر اور شعور کے عکاس رہے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہلایا اس میں میرے تجربات و احساسات بھی ہیں اور معاشرے کی سرگزشت بھی۔ جہاں میں نے اپنے داخلی احساسات اور قلبی واردات کو شعری بیکر دیا ہے۔ وہیں میں نے خارجی ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے عصری زندگی کے مسائل کو اپنے ذہنی رد عمل کا اظہار بنایا ہے۔ میں جو کچھ محسوس کرتا ہوں، لکھتا ہوں، محسوس کرنے اور لکھنے کا یہ سلسلہ اسی انداز سے یوں ہی جاری رہے گا۔

زندگی کو سمجھنے کا سلیقہ ہر شخص کو ہوتا ہے لیکن کون کس حد تک سمجھتا اور اس کو بہتر سمجھتا ہے۔ اس کی اپنی فہم اور افتاد طبع پر موقوف ہے۔ زندگی شروع ہی سے روشنی کی واضح علامت رہی ہے۔ زندگی کا جائزہ اگر مثبت انداز میں لیا جائے تو روشنی کا تسلسل لوٹنے نہیں پاتا۔ دوسرے فنون لطیفہ کی طرح شاعر بھی ہر سچے فنکار سے اپنا حق مانگتی ہے۔ ہر شے اپنی شناخت کیلئے سرگرداں ہے شے کی صحیح پہچان کے بعد ہی سکون کی تلاش شروع ہو جاتی ہے لیکن تسکین کی خواہش ہمیشہ نامکمل رہتی

(خوشنود کا سفر)

# ڈاکٹر علی احمد چلیلی

(کم آمینہ، کم سخن اور قابلِ احترام شاعر)

یہ بھی صحیح ہے کہ جب کبھی معاشرہ کے خدو خال کا رنگ بھیکا پڑ جاتا ہے تو ہر سطح پر انتشار کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ذہن و فکر کے دریچے دایم ہو جاتے ہیں۔ فکر و خیال کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دانشوروں کی پہلی صف میں شامل ہونے کے لئے کم بضاعت لوگ بھی صف بستہ قطار کو توڑ کر آگے بڑھنے کی ناکام کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ جلتے ہوئے بھی کہ قلم کی سکاٹ، تلوار کی سکاٹ سے زیادہ زود اثر ہوتی ہے۔ صاحبانِ فکر و نظر سے ہم کلام ہونے اور ان کے شانہ بہ شانہ چلنے کی خواہش رکھتے ہوئے ایسے لوگ پُر خطر راہوں کے بیچ و خم سے گزرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ایسے خود ساختہ دانشوروں کے ہم رکاب رہنا چاہتے ہیں جو فہم و ادراک کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور اباب حل و عقد سے ناتا جوڑنے کے لئے پچھلے دروازہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ اند بی کر کسی اہلِ سند نشینی کی موس میں آدابِ نشست و برخاست، تہذیبِ گفت و شنید کی نزاکتوں

بارہ یکمیں اور پھر کاریلو سے نا آشنا رہ کر مضحکہ خیز بن جاتے ہیں۔ زندگی کا ہر وہ شعبہ جو حیات آفریں ہوتا ہے اس تک پہنچنے کے لئے اپنی بے ہنری، کم مائیگی اور کم نظری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جو لوگ بے تاج بادشاہوں کی طرح علم کی دولت، فکر و خیال کی خوشبو، دل و دماغ کی روشنی، ذہن و فکر کی تسکین، صبح کے اُجالوں کی طرح لوگوں میں تقسیم کرتے تھے، کم کم نظر آتے ہیں لیکن اس انحطاط اور گرتے ہوئے انسانی و اخلاقی معیار کے باوجود بھی تخلیق کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چلتی رہتی ہے۔ ریگزاروں کے طویل اور لا فتنہ سفر کے دوران کبھی کبھی ٹھنڈے پانی کے چشمے مل جاتے ہیں۔ گھٹن اور عجز کے ماحول میں تازہ ہوا کے جھونکے مشامِ دل و جاں کو فرحت بخشتے ہیں۔ یہ ہدایتیں تپتے ہوئے حالات میں تازہ دم ہو کر سفر کرنے کی تلقین کیا کرتی ہیں۔

انسان جب مایوس ہو جاتا ہے تو زندگی کے مایوس کن لمحات بھی کہیں نہ کہیں روشنی لگا کوئی نہ کوئی کرن چھوٹتی ہے اور زندگی کو اُجالوں کی بشارت دیتی ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں سے آبشاروں کی شکل میں بہتے ہوئے موتیوں کی طرح فطرت شناسی کا دامن بھر جاتا ہے۔ اپنی ذات کا عرفان اپنے فکر و فن کا ادراک جب ایک صاحبِ فکر و فن کو ہو جاتا ہے

تو وہ محتاط روی کے ساتھ اپنی منتخب کردہ راہِ سفر پر نکل پڑتا ہے۔ راہوں کے پیچ و خم کو دُکھ دہکتے ہوئے منزلِ اُمس کی دُھن میں منزلوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

حاجیانِ فکر و نظر! یہ ساری تمہید ایسے اہلِ قلم کے لئے باندھی گئی ہے جو ہمارے شہر کا ایک بلند مرتبہ دانشور ہے، شاعر ہے، ادیب ہے، نقاد ہے، محقق ہے اور ایک اُستاد شاعر ہے۔ اُس شاعر کو ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔  
چاہے کسی کا شخصی خاکہ ہو کہ کسی فن کا جائزہ، اگر لکھنے والے اُس مخصوص شخص سے پوری طرح واقف نہیں تو اُس کے صبح و شام اور اُس کی روزمرہ زندگی کے بارے میں کھل کر اظہارِ خیال نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، شدت کے سے محسوس کیا ہے۔ لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اُن کی زندگی کے ہر پہلو سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہوں۔ ان کے کلام کی خوبیوں کی تہوں تک پہنچ چکا ہوں۔ ان کی فکر اور ان کی نازک خیالی کے سرچشمہ تک میری رسائی ہے۔

دانشور! ان شعر و ادب ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور ان کی شاعرانہ غفلت پر روشنی ڈالتے رہیں گے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے فن اور شخصیت پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ ایسے تذکرہ اور تخلیق کار کی شاعرانہ عظمت

کے اعتراف میں بہت کچھ لکھا جانا چاہیے تھا۔

حیدر آباد کے ادیبوں اور شاعروں کا یہ اُمید ہے کہ بیرونی شاعروں کے مقابلے میں ان پر صاحبانِ فکر و فن کی نظر پڑتی ہی نہیں، اور اگر پڑتی بھی ہے تو سرسری انداز میں۔ دکن والے عدم توجہ کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ لیکن وقت یکساں نہیں رہتا۔ کم از کم اب تو ہمیں دیانتداری کے ساتھ اپنے منصب کو سمجھنا چاہیے۔ اپنے ہونے کا شدت کے ساتھ احساس دلانا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے شہر کے شاعروں ادیبوں، دانشوروں اور مختلف علوم و فنون سے وابستہ ماہرین کی خدمات کا کھلے دل و دماغ اور بغیر کسی ذہنی تحفظات کے اعتراف کریں۔ آج ایسی ادبی محفل کی سخت ضرورت ہے جن میں صرف اور صرف حیدر آبادی اہلِ قلم کے کارناموں کے بارے میں غور کیا جاسکے۔ ان کے فکر و فن کا جائزہ لیا جاسکے۔ ہمارے شہر میں اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔ ادب میں، تحقیق میں دیگر شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی سچا اہم ترین شخصیتیں موجود ہیں ان پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو میں نے پہلی بار محبوب نگر کے ٹاؤن ہال میں منعقدہ ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ غالباً وہ صدرِ مشاعرہ تھے۔ جناب عبدالرزاق صولت ریڈ و کیٹ نے مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ یہ بات ۲۵ برس پہلے کی ہے۔



روزنامہ ”سیاست“ میں ۲۵ سال پہلے انڈوپاک کے قدیم و جدید شاعروں کا ایک فیچر شروع کیا گیا تھا۔ یہ کام میرے ذمہ تھا۔ اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس غلات کے بعد مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا کہ اتنے اہم شاعر سے حیدرآباد کے شاعروں کے مقابلے میں محروم ہوتے جا رہے ہیں تب میں نے تہیہ کر لیا کہ اس محترم شاعر کو شاعروں میں مدعو کیا جانا چاہیئے یا ہندی کے ساتھ۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں جناب سعید شہیدی بھی ملازمت کے سلسلے میں اضلاع پر تھے وہ بھی حیدرآباد کے بڑے شاعروں میں کم کم دکھائی دیتے تھے۔ میری یہ خواہش تھی کہ یہ دونوں شاعر شہر کے اہم شاعروں میں شرکت کرتے رہیں۔ خاص طور پر شہرہ آفاق ۲۵ سال سے شاعروں کے ذریعہ بھی ہم ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے کلام سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی ایک استاد شاعر ہیں۔ ان کے شاگردوں کی محنت اور غیر محنت تعداد کا مجھے علم نہیں، البتہ محبوب نگر کے بیشتر شعراء ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

ایک ایسا شاعر جو برسوں کا سیکی ادب سے مانوس رہا ہو، ایک ایسا شاعر جو شاعری کے جملہ رموز و نکات سے واقف ہو۔ فنِ عروض پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اعلیٰ درجہ کے استادانہ شعر کہتا ہو، ایسے محترم شاعر کے پاس جدید رنگ کے بھی بے شمار اشعار ملتے ہیں۔ حیدرآباد ہی کیا برصغیر کے صفِ اول کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔۔۔ بغیر کسی تبصرہ و تحمید کے چند شعری پیش کش ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کس معیار اور کس پایہ کے شاعر ہیں۔

وقت بیٹے کا خود اندازہ لگھا دیتا ہے :۔ شاخ گل چھین کے ملو اور تھما دیتا ہے  
 دشمنی مول تو لی دھوپ سے ہم نے لیکن :۔ دیکھا یہ ہے کہ سایہ میں کیا دیتا ہے  
 ہنسو کہ آج ہنسی کی بہت ضرورت ہے :۔ مگر کسی کے لبوں سے نہ چھین کر لاؤ  
 جی رہے تھے بڑے سلیقے سے :۔ آگے وقت کی نگاہ میں ہم آئے  
 ہر درد میں فریب کے عنوان بدل گئے :۔ شعلوں سے جو بچے تھے وہ شبنم سے جل  
 پانی کا انتظار ہی کرتی رہی نہیں :۔ بادل سمندروں پہ برس کر نکل گئے  
 بھولوں نے چرائی ہیں مجھے دیکھ کے آنکھیں :۔ کانٹوں نے بڑی دور سے پہچان لیا ہے  
 فریب نہ کہت و کٹزار سے بچاؤ مجھے :۔ کرم کرد کسی صحرا میں چھوڑ آؤ مجھے  
 سب یہی کہتے ہیں میں ہوں دوسرا کوئی نہیں :۔ اس حدی کا اس سے بڑھ کر حادثہ کوئی نہیں  
 میری تعلقت کی بلندی سے سبھی مرعوب ہیں :۔ میں کھڑا ہوں ریت پر یہ دیکھا کوئی نہیں  
 زندگی یوں مرے ہمراہ رہا کرتی ہے :۔ جیسے جیسے کی نقطہ سم ادا کرتی ہے  
 جانے کیوں میری ہی دہلیز پر آکر اکثر :۔ گردشِ وقت تھکن دُور کیا کرتی ہے  
 شمعِ محفل ہوں بجھاؤ گے تو بجھاؤ گے :۔ بجھ گیا میں تو اجالوں کو ترس جاؤ گے  
 سب پوچھتے ہیں مجھ سے مرے آشیان کا حال :۔ میں سب سے پوچھتا ہوں کہ گلشن کا کیا ہوا  
 پھرتا ہوں اپنے نقشِ قدم ڈھونڈتا ہوا :۔ لے کر چراغ ہاتھ میں وہ بھی بجھا ہوا  
 کون جانے کدھر آتی ہے کدھر جاتی ہے :۔ زندگی ایسے دے پاؤں گزر جاتی ہے  
 جس فاکوارِ بات کا وارث کوئی نہ تھا :۔ وہ بات میرے نام سے منسوب کی گئی  
 اچھی معاملت یہ مرے ساتھ کی گئی :۔ پروردہ اٹھا کے مجھ سے نظر چھین لی گئی  
 تمام عمر تجھیلی میں سننا ہے :۔ وہ ہاتھ، ہاتھ میں آکر جو چھوڑ جاتا ہے

جس نے رخصت کیا تھا وقتِ سفر :۔۔۔ وہ نظر ساتھ چل رہی ہے ابھی  
 ٹھہریے میں اسے غفلتوں کا لبادہ دیدوں :۔۔۔ لی ہے انگڑائی تو پھر ہاتھ اٹھائے رکھتے  
 ملاش مری پاؤں تلے روند رہے ہیں :۔۔۔ میں جن کو بچانے کے لئے قتل ہوا ہوں  
 دنیا ہے کہ بھولوں کی خوشامد میں لگی ہے :۔۔۔ اک میں ہوں کہ کاتلوں میں لہو بانٹ رہا ہوں  
 وہ تو یوں کہتے کہ ہم نہ دیر نہ تھے :۔۔۔ ورنہ کس کے ہاتھ میں پتھر نہ تھے  
 علی احمد جلیلی، شریف النفس، منکسر المزاج انسان ہیں۔ ان کی نرم گفتاری  
 سبک خراسی، ان کا گھبراہٹ کر گفتگو کرنا، ان کا اپنا ایک انداز ہے۔ ان کا یہ ایک  
 ایسا رویہ ہے جو ان کی ذات کا ایک حصہ بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے آج  
 تک کسی بھی شخص کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرتے ہوئے، کسی بھی شاعر  
 یا ادیب کے فن پر ان کی تنقید، محتاط روی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب  
 صاحب تصنیف کی ان خوبیوں کی بطور خاص نشاندہی کرتے ہیں جن پر علم قاری کی  
 نظر نہیں جاتی۔ ان کے تبصرے سچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے تبصرے مجھے اُردو  
 کے متوازن ممتاز نقاد پروفیسر احتشام حسین مرحوم کی یاد دلاتے ہیں۔ علی احمد جلیلی  
 ایک کم گو، خاموش طبیعت انسان ہیں۔ انہیں میں نے کسی بھی مسئلہ پر سطحی گفتگو  
 کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے قیمتی الفاظ ضائع نہیں کرتے۔ ان کے تبصروں کی  
 زبان پاک و صاف ہونے کے علاوہ ادبِ عالیہ کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ کلاسیکی  
 ادب کے گہرے مطالعہ نے ڈاکٹر صاحب کو کندن بنا دیا ہے۔ شعور ادب کے ہر موضوع  
 پر اظہارِ خیال کی قدرت رکھتے ہیں۔ علی وادنی محفلوں سے وابستگی ان کا مسلک  
 ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہر شخص سے حسبِ مراتب ملا کرتے ہیں۔ ان کے رکھ رکھاؤ میں

علی احمد جلیلی کا اندازِ گفتگو

نٹ ورک کے مشاعروں میں کلام سناتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے فن اور شخصیت پر عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ایم۔ فلی کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریباً تمام مطبوعات پر ملک کی اردو اکیڈمیوں نے انعامات سے نوازا ہے ان کی بعض اہم کتابیں یہ ہیں شاعری میں، غزلوں کے تین مجموعے ”نقش قدم“، ”شہرِ تنہا“ اور ”منظر منظر“۔ نظموں کا مجموعہ ”اندھیرے اُجالے“۔ نثر میں تین کتابیں تنقید پر ”غزل میں منفی رجحانات“۔ ”فصاحت جنگ جلیل۔ حیات و فن“۔ ”بیت خانہ جلیل“ (مختصری بازیافت) اردو کا عروض اس کے علاوہ ہے۔

علی احمد جلیلی کی پہلی غزل اُس وقت شائع ہوئی جب وہ میٹرک کے طالب علم تھے۔ ابتداء میں اپنے والد محترم استاد سخن حضرت فصاحت جنگ جلیل کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی ایسے شاعر ہیں جو دامنِ شعور و ادب میں ہمیشہ بہکتے رہیں گے کل تازہ کی طرح۔ !

کہتے ہیں کہ غزل میں موجِ صبا کی انگڑائیاں، شبنم کی رعنائیاں، شعلوں کی لپک، کلیوں کی ہلک اور پھولوں کی تازگی ملتی ہے لیکن میں نے چاندنی راتوں کا سہاگ، بھیگی برسات کا خارا اور گلابی جاڑوں کی مستی عسوس کی ہے۔

انسان کی زندگی، فطرت کی روشنی اور دھندلکی سے جنم لیتی ہے۔ ہر انسان اپنی دنیا کا خالق ہے یا یوں کہیے کہ اس کی ایک علیحدہ دنیا ہوتی ہے۔ زندگی مسکراہٹوں اور آہوں کا نام ہے۔ میں نے زندگی کو ہمیشہ اپنے مقابل پایا۔ آنسوؤں میں بھی میں نے مسکراتا سیکھا ہے۔

(مجل تانہ)

# اردو ہندیب کا نامزدہ شاعر

## منوہر لال بہار

چند مہینے پہلے جناب منوہر لال بہار مجھ سے ملنے کے لئے دفتر سیاست آئے اور کہا کہ میں اپنی عمر کی آخری منزل میں ہوں۔ میری عمر ۸۱ برس کی ہو چکی ہے۔ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ میں اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کے لئے کچھ کر سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میری کتاب کی ترتیب و ترتیب کے علاوہ اشاعت کے تمام مراحل کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں۔ یہ کہتے ہوئے بہار صاحب نے مسودہ میرے ہاتھ میں دیا۔ میں نے اپنے دیرینہ روالہ کی تجدید کے لئے ذمہ داری قبول کی۔

زائد ازاں (۳) برس پہلے کی بات ہے کہ منوہر لال بہار صاحب سے میری پہلی ملاقات بزمِ قدیرِ ادب کے ایک مشاعرہ کے سلسلے میں اُن کے مکان واقع حسینی علم میں ہوئی تھی۔ میں بزمِ قدیرِ ادب کا معتمد تھا۔ بہار صاحب کے ڈرائینگ روم میں منوہر لال بہار بھی موجود تھے۔ وہ زمانہ میری شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اُس وقت پیرائے شہر میں قدیرِ ادب، بزمِ کامل، زاویۂ ادب، سفینۂ ادب، بزمِ جیون، بزمِ سعدی، اور بزمِ اتحاد الشعراء جیسی کئی اور انجمنیں سرگرم عمل تھیں جن کے زیرِ اہتمام تقریباً ہر ماہ بلا لاترجمہ طرحی و غیر طرحی مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ جناب منوہر لال بہار ہم سے بزرگانہ شفقت سے ملے۔ اس پہلی ملاقات میں، میں نے محسوس کیا کہ یہ دونوں

شاعر (منوہر لال بہار اور منوہر لال شارب) حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتیں ہونے کے علاوہ کامیاب شاعر بھی ہیں، پھر میں نے ان دونوں کو شہر کے اور اضلاع کے کئی شاعروں میں اپنے افسانے موتی لٹاتے ہوئے دیکھا۔ بہار صاحب سے میرے مرام بڑھنے لگے۔ میں اُس دور کے اساتذہٴ سخن کی طرح منوہر لال بہار کا بھی احترام کیا کرتا تھا اور اُن سے مشاعروں میں شاعرانہ آداب و تہذیب کے ساتھ ملتا تھا۔ اُس زمانے میں پُرانے شہر کی شعری محفلیں میں علامہ نجم افندی، علامہ قدر علی، مولانا کامل شطاری، حضرت تاج قریشی، جناب آج یعقوبی اور جناب خواجہ شوق جیسے اساتذہٴ سخن کا شہرہ تھا۔ جناب سعید شہیدی اور ڈاکٹر علی احمد جلیلی اپنی ملازمت کے سلسلے میں اضلاع پر تھے۔ حیدر آباد میں ان شعرائے کرام سے کلام سُننے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ سمجھتے ہیں اعزاز حاصل رہے کہ میں ان قابلِ احترام اساتذہٴ سخن کی موجودگی میں اپنا کلام سُناتا رہا۔ اُن ہی دنوں شہر کے مشاعروں میں علامہ حیرت بدایونی مشاہد مدیقی اور خورشید احمد جانی جیسے مستند شاعروں کے ساتھ بھی کلام سُنانے کا شرف حاصل رہا۔ یہ صاحبانِ فکر و فن داد و تحسین سے نوازتے ہوئے حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ اُس دور کے نوجوان شاعروں کے ساتھ اساتذہٴ سخن کا مشفقانہ سلوک بھی رہا کرتا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں اور نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

منوہر لال بہار کو میں نے پُرانے شہر کی تقریباً <sup>تمام</sup> شعری محفلوں میں پسندیدہ شاعر کی طرح پایا۔ نئے شہر کے مشاعروں میں بھی اُنہیں داد و تحسین سے نوازا جاتا رہا۔ کبھی کبھی اُس دور میں منوہر لال بہار، جام و مینا کا دامن تھامے ہوئے عالم مدہوشی میں مشغول

میں شریک ہوا کرتے تھے لیکن میں نے انہیں کبھی بھی آدابِ محفل کو نظر انداز کرتے ہوئے نہیں پایا۔ آج بھی وہ اپنے ساتھی شاعروں میں مقبول ہیں، بہارِ صاحب عمر کی اس منزل میں بھی ترنم سے شعر سُنتے ہیں۔ اُن کا ترنم ایک مخصوص شاعرانہ تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بہارِ صاحب کو نہ صرف غزلوں کے طرچی و غیر طرچی مشاعروں میں سُنتا رہا ہوں بلکہ انہیں میں نے کئی نعتیہ و منقبتی محفلوں میں کلام سُنتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ بہارِ صاحب کو تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے۔ بہارِ صاحب نے کئی گُل رینر مشاعرے پڑھے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ دور درشن سے بھی کلام سُنتے رہتے ہیں۔

حبیب مرتب شعراء سے ان کے روابط ہیں۔ چاہے سینیئر شاعر ہوں کہ جونیئر شاعر اگر ان کا کلام پسند آجائے تو وہ کھل کر داد دیتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں وہ بخل سے کام نہیں لیتے۔

منوہر لال بہار کا شمار حضرت فصاحت جنگ جلیل کے نامزدہ شاگردوں میں ہوتا ہے۔ وہ جلیل اسکول سے اپنے آپ کو وابستہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ زبانِ بیدار پر قدرت حاصل ہے۔ کلام میں ایک اُستادانہ شان جلوہ گر ہے۔ فنی حسن اور آدابِ شاعری کے رموز و نکات سے پرور ہیں۔ اندازِ بیان شگفتہ ہے۔ اسلوب میں چاشنی ہے۔ دل کو چھونے والے شعر کہتے ہیں۔ لب و لہجہ میں سادگی کے ساتھ ساتھ پیرکاری، گہرائی و گہرائی ہے۔ کلام پیر اثر ہونے کے علاوہ دُور از کار استعارات و تشبیہات سے پاک و صاف ہے۔ میں نے بہارِ صاحب کے تمام شعری مجموعے پڑھے ہیں۔ ۳۴، ۳۵، ۳۶ برسوں سے انہیں مشاعروں میں سُنتا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنی شاعرانہ وضع داری میں فرق آنے نہیں دیا۔ کلاسیکی رنگ میں ڈوبے ہوئے شعر تو ہوتے ہی ہیں لیکن ایسے اشعار بھی پڑھتے

اور سنسنے کو ملتے ہیں جو عصری حیثیت سے بھی ہم رشتہ ہیں۔

بہار صاحب ایک یار باش انسان ہیں۔ میں نے اپنے شاعرانہ اس طویل عرصے میں کسی بھی مسئلہ پر بھی انہیں الجھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شعر و ادب کے مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔ ان دنوں برسوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی لیکن بہار صاحب پر سرد گرم موسموں کا اثر نہیں پڑا۔ انہوں نے اپنی کج کلامی پر حرف آنے نہیں دیا۔ وضع داری کے اس منفرد انداز نے ان کی شخصیت کو اور یادگار بنا دیا ہے۔

بہار صاحب کے تاحال کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں ملک کی کئی اردو اکیڈمیوں نے ان کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایوارڈز سے نوازا ہے دو سال پہلے کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی سالانہ تقابلیب کے کل ہند افتتاحیہ اجلاس کے موقع پر حمید آباد کے گیارہ بزرگ شاعروں کو اعزازات دیئے گئے ان میں منوہر لال بہار بھی شامل تھے۔ یہ اعزازات صدر نشین مرکزی فیئانس بورڈ جناب کے سی نیت اور جناب غلام نبی آزاد مرکزی وزیر سیاحت کے ہاتھوں دیئے گئے۔

پیرانہ سالی کی وجہ سے بہار صاحب کا چلنا پھرنا ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے اس کے باوجود وہ یہ محسوس ہونے نہیں دیتے کہ ان پر طویل عمر کی تھکن طاری ہے۔ میں بہار صاحب کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ عزت کرتا ہوں۔ ایسے وضع دار لوگ کم ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی عمر دراز ہو اور وہ اسی طرح اردو شعرو ادب کی خدمات انجام دیتے رہیں۔ ••



# نوشبوئے غزل

(تہذیبِ نظر کی شاعرہ۔ فاطمہ بیگم)

روشن مستقبل سے فیضیاب ہونے والی نایاب شخصیتیں چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہوں کسی نہ کسی طرح اپنے فکر و فن کا روشنی پھیلاتی ہوئی یا صلاحیت اور با شعور ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہیں اور پھر جن شخصیتوں کی ہنر مندی، پتھر کو آئینہ، مٹی کو سونا، کانٹوں کو پھول اور تاریکیوں کو اجالوں کا لباسِ فاخرہ پہناتی ہوں۔ اُن کے دل و دماغ کی روشنی لکیریں سارے ماحول کو گہر توڑ بنا دیتی ہیں، جن کے جذبات، خیالات، مشاہدات اور تجربات کی تیز و موثر کے رنگ دینے میں کچھ اس طرح وسعتیں در آتی ہے کہ صبح و شام، روز و شب اور تمام ساعتوں کی پیرہن کا گنتی کے ذرہ ذرہ میں پھیل جاتی ہیں۔ اپنے وجود اپنی شخصیت کو منوانے والے ایسے لوگ مشاہدات اور تجربات کی گلیوں اور شاہراہوں سے گزرتے ہوئے نظر شناسوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں، اُن پھولوں کے لئے جو تمام صحنِ چین کو نازگی سے عطر پیر کر دیتے ہوئے اپنی فطری خوشبو سے مہکاتے ہیں۔ ان تمام زرخشاں لمحات سے ایک ایسے فنکار کی ذات بھی وابستہ ہو جاتی ہے جس کو قدرت نے کُل فنیاتی سے نوازا ہے۔ شعروادب کے نقض شناسوں، تہذیبی اقدار کے پار کھول اور قدرت کی مائیں

نعمتوں کو دوسروں تک پہنچانے والوں کی دنیا عجیب ہوتی ہے جو کبھی تو پھول  
 پر ساقی ہے اور کبھی آنسو بہاتی ہے۔ خدا کا یہ دنیا پر ہجوم، مہنگا مول میں رہ کہ  
 بھی تنہا رہتی ہے، تنہا رہ کر کبھی مگر دشمن دوراں کی ہم رساب ہوتی ہے۔ تمام  
 مومسوں کی نرمی و گرمی سے گزرتی ہوئی، خدا کا دل کی ذات مشکل پسند دکھائی دیتی  
 ہے۔ اس کی ساری جولانی، طبع، تلاش، پیر سر کوڑ ہوتی ہے۔ تلاش، محسوس، جستجو  
 اور کچھ اور کی خواہش، تخلیق کار کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔ دیدار و در  
 بلند تمامتوں اور رمز شناسوں کی طویل فہرست میں کچھ ایسی شخصیتوں کے نام  
 بھی ملتے ہیں جو اپنی ذات اور پہچان کے لئے، سختی کا دشمن اور ذاتی صلاحیتوں  
 کو بروئے کار لاتے ہیں۔ جن کی سوچ و فکر کی گرمی، تہذیبِ نظر کی پاکیزگی اور  
 حسنِ طبیعت کے پُر اثر نقوش نے دامنِ شعروادب کو عطر بن کر دیا ہے ایسی ہی  
 فہرست میں ایک نام فاطمہ تاج کا شامل ہے۔

فاطمہ تاج نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، لب کشائی کی، بولنا سیکھا  
 رنگینا اور چلبلا شروع کیا وہ ماحول علم پرور بھی تھا، فنِ مریدہ بھی۔ روشن خیال  
 بھی تھا، بنیاد پسند بھی۔ لیکن فطرت کی بلند قامتی نے فاطمہ کو بلند پروازی کے  
 لئے اُکسایا، حوصلہ افزا اور دامن کشاں دونوں قسم کے حالات میں فاطمہ نے  
 اپنے کو زندہ رکھا۔ تہذیبِ علم و فن نے شخصیت کے خدوخال کو نکھارا۔ ابتدائی  
 دنیا جو پھول چھنے اور دامن چھڑانے کے معصوم جذلوں سے بے بہرہ تھی۔ فاطمہ کے  
 فکر و خیال میں رنگ بھرنے لگی۔ کاغذ کے سینکڑوں پرزے، لکھے، مٹائے، سنبھال  
 سنبھال کر رکھے اور چاک کرنے کے عمل نے راحت فرا کشمکش سے اپنی پہچان پر جانی

ان میں کچھ پیرزوں کو تو ہوائیں لے اڑیں اور کچھ پیرزے فنکار کے دامن سے لپٹے رہے۔  
 دامن سے لپٹے ہوئے پیرزوں کو اکٹھا کرنے کی خواہش موسم کی گرم ہواؤں سے  
 نظریں ملاتے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ تازہ ہواؤں کی حیات افروز لہروں نے حیات  
 میں جولانی اور قسطنطنیہ میں روانی پیدا کر دی۔ قرطاس و قلم کا یہہ رشتہ دیرینہ اور مضبوط  
 ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فیض رسالہ الہامی بشارتوں نے آبِ رواں کی طرح  
 آئینہ صفت، پاک و شفاف تحریروں کو جنم دیا۔ وہ تحریریں جو شعر و ادب  
 کی دنیا میں ان گنت رنگ کے پھول کھلانے کا مزد سنانے والی تھیں کبھی عیاں  
 ہو کر ادھر کبھی یہاں ہو کر ظہور پذیر ہونے لگیں۔ اسی طرح دھوپ چھاؤں کے ماحول میں  
 دن گزرتے گئے۔ منتشر تحریریں اور منظم تخلیقات کے ذخیروں میں اضافہ ہوتا گیا۔  
 پھر نظم و نکتے اور نطردوں کو چمکا پوند کرنے والے حالات نے پہلپلتے ہوئے پردوں  
 کی بالیدگی، سلیڈوں کے پھول بننے کے فطری عمل کو دشوار گزار مرحلوں کے حوالے کر  
 دیا۔ پھر کبھی فنکار کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ فنکار زندہ رہا۔ کل کا پودا آج کا تادور و رفت  
 تھے کے لئے فضاؤں کے دوش پر اڑ رہا ہے۔ موسم سازگار ہے۔ حالات موافق ہیں۔  
 فطرت ساتھ دے رہی ہے۔ شوق و ذوق کی اس تازہ روی نے پیرزے راستوں کو  
 بھی ہموار بنا دیا ہے۔ موسم بہاراں کی معطر فضا تلاش مسلسل کی منزلوں سے رہنما  
 کروا رہی ہے۔ ایسا منصب اُن ہی قلمکاروں کے حصہ میں آتا ہے جن پر خدا ہمیشہ  
 مہربان رہتا ہے۔ فاطمہ تاج پر بھی خدا مہربان ہے۔ ان کا شعری و ادبی سفر جاری ہے۔  
 خوشبو کے سفر کی طرح۔

تازہ  
 فاطمہ تاج محفلِ خواتین کی دینے والی محفلِ خواتین، شعر و ادب کے سیر میں

گمراہی سے گرنے کا پہلا زینہ ہے۔ روزنامہ ”سیاست“ نے فاطمہ تاج کو مادرِ مہرباں کی طرح پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مختلف موضوعات پر نمایاں طور پر تحریریں شائع ہوئیں۔ غزلوں کی اشاعت کے لئے بھی سیاست کا دامن ہمیشہ کھنکھاتا رہا۔ دانشورانِ فکر و فن کی حوصلہ افزائی نے قلم کو طاقت بخشی، ذہن و فکر کو تازگی عطا کی۔ لکھنے اور سننے میں اعتماد پیدا ہو گیا۔ پھر وہ منتشر قمر بنی جو مختلف پُرزوں کی شکل میں محفوظ تھیں کتابی شکل اختیار کرنے لگیں۔ یہ تحریریں کبھی شعر کی صورت میں اور کبھی نثر کی شکل میں منظرِ عام پر آتی رہیں۔ چار کتابوں ”اب کے برس“ (شاعری)، ”امانت“ (مضامین، نحا کے وغیرہ)، ”آس پاس“ (افسانے)، ”دلاسا“ (طنز و مزاح) کے بعد پانچویں کتاب ”نوشہٴ غزل“ (شاعری) شائع ہوئی۔

فاطمہ تاج نے بھی بعض اہم فنکاروں کی طرح اپنے لئے ایک الگ راہ بنائی ہے۔ تین برس میں (۶۷) کتابوں کی اشاعت، فاطمہ تاج کی شعر و ادب سے گہری وابستگی جولائی، طبع اور مستقل خراجی کی زندہ نشانی ہے۔ فاطمہ تاج کی تیز روی یہ کہنا چاہتی ہے کہ ”کل کس نے دیکھا ہے“۔ فاطمہ تاج نے جہاں ایک باصلاحیت ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی مقبولیت کے بے شمار چراغ روشن کیے ہیں وہیں ایک با شعور شاعرہ کی حیثیت سے بھی اپنا ایک اونچا مقام بنالیا ہے۔ فاطمہ کی زود گوئی چلہ ہے نثر میں ہو کہ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔ برہنگی، فاطمہ تاج کا ایک خاص وصف ہے۔ کوئی موضوع کیوں نہ ہو اُن کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ ہر موضوع پر قلم برداشتہ لکھنے پر قادر ہیں۔ نثر کی روانی

چہاں آبشاروں اور جھرنوں کی طرح ظہور پذیر ہوتی ہے وہیں پیرائے اور بامعنی اشعار  
موتیوں کی زنجیروں کی طرح شعروادب کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔  
خوشحال گھرانے کی اس معزز خاتون نے اپنے فطری ذوق و شوق  
کی ایما رچی کے لئے شعروادب کو اپنا رفیق بنالیا ہے۔ ایسا دوست بنالیا ہے اور  
ایسا دوست جس کے حسن سلوک نے خوشگوار اور پاکیزہ ماحول میں خوش اسلوبی  
سے جینے پتھر سکھایا۔ شعروادب کی بے ضرر، دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والی  
معروفیات نے گھر کے ماحول میں بھی نشاط انگیزی و شگفتگی اور تہذیبِ نظر کو فروغ  
دیا۔

فاطمہ تاج کی کامیاب ازدواجی زندگی نے پیر سکون ماحول کو جنم دیا۔ تعلیم  
یافتہ اور زیر تعلیم، خوش مزاج، خوش خصال، خوش نظر، ذہین و باتسور شہرچی  
تہذیب کے پروردہ، علم و گہنہ سے آراستہ لڑکے اور لڑکیوں نے دلچسپ ساری  
خوشیاں ماں باپ کے قدموں میں ڈال دی ہیں۔ گھر کے تسلیج ہوئے ماحول نے  
ہمیشہ تبسم ریزہ مسرتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ بچکیں بھگتے نہیں دیں۔

فاطمہ تاج اپنی ساتھیوں میں بے حد مقبول ہیں۔ بہترین شاعرہ، ایک کامیاب  
ادیب کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اچھی دوست اور بامروت، ہمدرد کی حیثیت  
سے بھی شہر کی بیشتر معزز خواتین سے فاطمہ تاج کی رسم و راہ ہے۔ سبھی فاطمہ  
کو پسند کرتی ہیں۔ فاطمہ کی سنجیدگی سے زیادہ بذلہ سنجی سے محظوظ ہوتی ہیں فاطمہ  
تاج ایک منتظم مزاج، حوصلہ مند خاتون ہیں۔ محفل خواتین کی سرگرمیوں میں  
بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ محفل خواتین کی سرگرمیوں میں بہتر اضافہ کے لئے

سرگرم رہتی ہیں۔ فاطمہ تاج کی طبیعت میں جلد بازی بھی ہے اور ٹھیراؤ بھی لیکن اکثر مقامات پر جلد بازی مقررہ حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ کل کس نے دیکھا ہے کہتے ہوئے ہر مغوضہ کام کو یہ عجلت تمام سرانجام دینا چاہتی ہیں۔ انہیں محفل خواہش کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ فاطمہ تاج کی شخصیت دلچسپی کی وجہ سے بھی محفل خواہش میں کئی اراکین کا اضافہ ہوا ہے۔ مطمئن زندگی نے فاطمہ کو ادبی خدمات کرنے کا موقع فراہم کیا۔ علم و فن سے وابستگی نے سرگرم عمل رکھا۔ فاطمہ کے پُر سکون اور آسودہ حالات نے بھی کتابوں کی اشاعت کا شوق پیدا کیا۔

”خوشبوئے غزل“ فاطمہ تاج کا دوسرا مجموعہ کلام ہے جس میں حمد، نعت، سلام کے علاوہ ۲۶ غزلیں شامل ہیں۔ کتاب کی ترتیب و ترتیب خود فاطمہ نے کی ہے۔ فاطمہ کے کلام میں وہ تمام شعری خوبیاں موجود ہیں جو ایک باذوق قاری کی تسکین کا باعث بن سکتی ہیں۔ ہر مکتب خیال کا قاری فاطمہ کے کلام کو پسند کرے گا۔ فاطمہ تاج کے کلام میں زندگی کی روشن حقیقتیں ہیں جو سماج کی بے راہ روی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنا، حق کے لئے آواز اٹھانا اور پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے دریا کی روانی کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ چاہے وہ پھولوں کی رنگدہن ہو کہ کائناتوں کی شاہراہ، فاطمہ کے ہاں دم لیے کا تصور نہیں ہے۔ مسلسل چلتے رہتا فاطمہ کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ تلاش منزل فاطمہ کے فکر و فن کا ایک ناگزیر عمل ہے۔ تلاش، جستجو ایک مطہر نظر ہے۔ فاطمہ اپنے سفر میں پامردی، جرأت، حوصلہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہیں۔

میری ہمیشہ یہ خواہش رہے گی کہ فاطمہ تاج کی شہرت، ارتقائی منازل

طے کرتی رہے اور ان کا نام شعر و ادب کی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے۔  
خدا کرے کہ فاطمہ کے قدم کہیں نہ رکیں۔ علم و ادب کی یہ شمع یوں ہی جلتی رہے۔  
بہتر سے بہتر کی خواہش زندہ رہے۔ ہر قدم کامرانی کی طرف بڑھے۔ سفر جاری رہے  
اس یقین کے ساتھ کہ :-

آئندہ پائی سے گھرا کر نہ کہ تیرے سفر  
بادوں جب دہلیز پر ہونگے تو آنگن آئے گا (نیر)

••

## دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ

عالمی اردو کانفرنس کی سرپرستی میں دہلی کی ایک فلاحی اور تعلیمی انجمن  
دہلی ویلفیئر ایجوکیشنل اینڈ کالجول اتر پردیش کے زیرِ اہتمام ۱۹ مارچ ۱۹۹۷ء کو دہلی  
کے ایوانِ غالب میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرے  
میں ملک کے نامور شعراء مجروح سلطان پوری وغیرہ نے شرکت کی۔ حیدر آباد سے  
مسر ز امیر احمد خسرو اور صلاح الدین نیر مدعو تھے۔ اس مشاعرہ میں سر زمین  
دکن کے دو مایہ ناز شاعر امیر احمد خسرو اور صلاح الدین نیر نے بلاشبہ سالمین  
کے دل کوٹ لئے۔ حیدر آباد کے ان عظیم فنکاروں کو بے پناہ داد و تحسین  
سے نوازا گیا۔ شاید اتنی تعریف و توصیف انہیں اپنے شہر (شہرِ اردو حیدر آباد  
میں) بھی نہ حاصل ہوئی ہو۔ • دہلی - ”توحی آواز“ ۲۴ مارچ ۱۹۹۷ء

## تہذیب انسان - معتبہ شاعر

### مومن خال شوق

ہزار مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ زندگی گزارنے کے رویے میں انسان بسا اوقات تضاد کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک تہذیب یافتہ معتبہ انسان کچھ ایسے حالات سے بھی گزر رہا ہے کہ بعض مقامات پر اس کے قدم ٹکھڑا جاتے ہیں۔ ثابت قری اس کے لئے سوالیہ نشان بن کر ابھر آتی ہے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین سر لگتی ہے، لیکن ایک ثابت قدم انسان اعلیٰ روایات کی پاسداری کرنے والا انسان زندگی کے ہر مرحلے پر ہر قسم کے حالات کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کرتا ہے۔

صاف گو، صاف طینت، پاکیزہ خیالات اور سنجیدہ طرز حیات سے گزرتے والا انسان زندگی کے ہر موڑ پر شادمانی و کامرانی کے ساتھ سفر طے کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک معتبہ اور پُر وقار، تہذیب اور سوسائٹی کے لئے قابل قبول انسان جس سے مل کر خوشبو کا احساس ہوتا ہے وہ مومن خال شوق ہے۔

مومن خال شوق ایک ایسے شخص کا نام ہے جو زندگی کے نرم و گرم حالات کا خدہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتا ہو مستقل مزاجی کے ساتھ کاروائی حیات کا ایک حصہ بنا ہوا ہے۔ جناب شوق بہترین شاعر، نفیس انسان ہونے کے علاوہ اردو زبان کے خدمت گزار بھی ہیں۔



مومن خاں شوق سے میری جان پہچان ادبی رسائل کے ذریعہ ہوئی۔ اکثر دفعہ یوں بھی ہوا کہ مومن خاں شوق کا اور میرا کلام بعض ادبی رسالوں میں ساتھ ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔ غالباً ۲۰۴۲ برس پہلے کی بات ہے کہ میری اُن سے ملاقات الیوان اُردو میں ہوئی۔ میں سکریٹریٹ سے کبھی کبھی پنچ کے اوقات میں ادارہ ادبیات اُردو کے آیا کرتا تھا جہاں مجھے اُردو کے بہت سے رسالے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اُن دنوں میرا کلام انڈیا پاک کے ادبی رسالوں میں بہت چھپتا تھا۔ یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی بھی ادبی رسالے میں اپنا کلام دیکھ لیا کر دوں۔ ادارہ ادبیات اُردو سے میری گہری وابستگی اس لئے بھی ہے کہ مجھے اس ادارہ سے ایک جذباتی لگاؤ ہے۔ ڈاکٹر زور مجھ بے حد چاہتے تھے۔ میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے۔ میری حوصلہ افزائی میں اُنہوں نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا۔ میں نے اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے ادارہ ادبیات اُردو کے امتحانات اُردو عالم اور اُردو فاضل امتیازی حیثیت سے کامیاب کئے۔ محمد علی قطب شاہ کی سالانہ تقریب کے علاوہ ادارہ ادبیات اُردو میں وقتاً فوقتاً ہونے والے جلسوں اور مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس ادارہ میں مجھے پروفیسر گلن ناتھ آزاد کے والد محترم ممتاز شاعر ملوک چند محروم سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ادارہ کی ایک ادبی تقریب میں ممتاز ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اُس مشاعرے میں یہ غزل سنائی تھی جس کو صدر مشاعرہ جناب سجاد ظہیر نے بہت پسند کیا تھا۔ اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

ادب نے محلوں کا روشنی کے لئے :۔ اجنبی شہر میں غریب بھلے

داد دینے کے دوران اُن کا مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی میری لگا ہوں میں پھرتا ہے۔ اس ادارہ کے معرکہ انگیز ادارے، اس اور مشاعروں میں، میں نے نہ صرف شرکت کی ہے بلکہ عملی طور پر حصہ لیا ہے۔ کلام سنا ہے۔ ایوانِ اردو میں خواجہ احمد عباس کی فلم ”آسمان محل“ کے مشاعرے کی شوٹنگ کے وقت میں موجود تھا اور بحیثیت شاعر میں نے بھی حصہ لیا تھا۔ صدارت ممتاز ترقی پسند شاعر جناب علی سردار جعفری نے کی تھی۔

ایوانِ اردو شاعروں اور ادیبوں کے لئے ایک ایسا مرکز ہے جہاں نہ صرف بیرونِ شہر کے دانشور آیا کرتے تھے بلکہ شہر کے شاعر و ادیب بھی اکثر دکھائی دیتے تھے ایوانِ اردو کی کشش، شہر کے دوسرے اہل قلم کے ساتھ ساتھ جناب مومن خاں شوق کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ شوق صاحب اُن دنوں زرعی یونیورسٹی کے دفتر واقع ”دلکشا“ میں کام کرتے تھے۔ ان کا آفس ایوانِ اردو کے بالکل قریب تھا۔ ادارہ ادبیاتِ اردو کے دارالمطالعہ سیکشن میں اُن سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ کبھی کبھی ایوانِ اردو میں ملاقات ہوتی رہتی۔ مجھے یہ بالکل یاد نہیں ہے کہ میں نے انہیں پہلی دفعہ کہاں سنا تھا۔ پھر بھی میری چھٹی جس یہ کہہ رہی ہے کہ جناب مومن خاں شوق نے کسی انجمن کے ایک سالانہ مشاعرہ میں جو جالنگی پر شاد ہال انوار العلوم کالج میں منعقد ہوا تھا، مجھے مدعو کیا تھا۔ غالباً میں اور رئیس اختر اُس محفل کے مہمانِ خصوصی تھے۔ یہ بات تقریباً ۲۰ برس پہلے کی ہے۔ دیسے بھی ”سیاست“ اخبار اور شہر کے دوسرے اخباروں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا تھا۔

جب میں نے محلہ ملے پٹی میں مستقل سکونت اختیار کی، پھر یہاں کے ممتاز

شاعروں مومن خاں شوق اور منان منظور کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے یہاں مکان  
 زیادہ ہے تو اُنہوں نے یرتیاک انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ملے پلی منتقل ہونے  
 کے بعد میری ملاقات سب سے پہلے جناب منان منظور سے ہوئی۔ منان منظور صاحب  
 سے میری ملاقات جناب رئیس اختر کی معرفت ہوئی تھی۔

ملے پلی سے مجھے ایک دیرینہ نسبت ہے۔ اس محلہ میں علامہ حیرت بدایونی  
 کی قیام گاہ اور جناب شاد تمکنت کی رہائش گاہ پر شاعروں اور ادیبوں کا آنا جانا  
 رہتا تھا۔ میں زیادہ تر علامہ حیرت بدایونی کے پاس آتا تھا۔ اُن دنوں علامہ حیرت  
 بدایونی کی صدارت میں نمائش صلیب اور شہر کے دوسرے مقامات پر مشاعرے ہوا  
 کرتے تھے۔ بعض شاعروں کی تعالفت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بعض شاعروں  
 میں شرکت کیلئے مجھے بھی یاد فرمایا کرتے تھے

شاد تمکنت صاحب سے میری ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ کوئی خاص بات  
 ہو یا کسی خاص مشاعرہ کے سلسلے میں اُن سے ملنا ضروری ہو تو ان سے ملاقات  
 ہو جاتی تھی۔

اس محلہ میں ایک ایسی شخصیت سے بھی وابستہ تھی جو میری شاعر  
 کامرگز تھی۔ جس کی سگلی میں آج بھی رنگ برنگی پھول کھلتے ہیں۔ تازہ پھولوں کی خوشبو  
 سارے ماحول کو ہم کاتی رہتی ہے۔ کھلی تازہ کی طرح۔ میری سانسوں کی گہری میرے  
 دلوں کے نشان اُس سگلی میں آج بھی میسر ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ اُس ایک  
 خاص کشش نے مجھے برسوں اپنی طرف متوجہ کیا۔ آج سب کچھ بدل گیا ہے، کھلے دلوں  
 میں اور ہمیشہ سالوں میں بدل گئے ہیں۔ اب کچھ بھی تو نہیں رہا، سب کچھ ادراک

پریشانی کی نذر ہو گیا ہے۔ جب بھی اُس سگلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پرچھائیاں  
سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس مقام پر میرے لئے سائبان بڑا  
جاتی ہیں، جہاں جلتی ہوئی دھوپ بھی سایہ فگن رہتی ہے۔ پاکیزہ رشتوں کو  
ضمانت کے لئے۔

مومن محلِ شوق کا مکان اشرفِ دلائلے پٹی کی بڑی مسجد کے روبرو واقع  
ہے۔ جن کی قیام گاہ مسجد کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نورِ انشائی کی کیفیت سے سزا  
رہتی ہے۔ ان کے گھر کا ماحول نورانی ہے۔ گوکہ تمام لوگ تہذیب یافتہ ہیں بشرط  
ادب سے آراستہ اور دو لکھ پڑھنے والے بچے، مومن خاں شوق کا سر مایہ حیا  
ہیں۔ ان کی سب سے نایاب دولت ان کے والدین ہیں۔ ان کے والد محترم اور والدہ  
محترمہ شوق صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کے غامن ہیں۔ ان محترم ہستیوں  
نے شوق صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز کیا ہے۔ مائتاپ کے قدموں  
میں پڑے رہنے سے ان کے ہر عمل سے شائستگی، شرافت، محبت ٹپکتی ہے۔ طر  
حیات کا بائکین، طبعیت کی تسکفنگی اور زندگی کے معاملے میں دیانت دارانہ را  
یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو ان کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرنے کی کُم  
رہا کرتی ہیں۔

مومن خاں شوق ایک بے داغ، صاف گو، باکردار، نیک صفت اور  
پُر خلوص انسان ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ ان کی دوستی کی گرفت میں آجاتا ہے  
وہ پابہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوق صاحب تیز کام تو ہیں ہی، نرم گفتار بھی  
ٹھہر ٹھہر کر ان کا گفتگو کرنا دانشورانہ طرزِ عمل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ

پریشانی کی نذر ہو گیا ہے۔ جب بھی اُس نکلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پرچھائیاں  
سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس مقام پر میرے لئے سائبان بن  
جاتی ہیں جہاں جلتی ہوئی دھوپ بھی سایہ فگن رہتی ہے۔ پاکیزہ رشتوں کی  
فہانت کھلے۔

مومن محلِ شوق کا مکانِ اشرفِ دلائلے پٹی کی بڑی مسجد کے روبرو واقع  
ہے۔ جن کی قیام گاہ مسجد کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نورِ افشانی کی کیفیت سے بشار  
رہتی ہے۔ ان کے گھر کا ماحول نورانی ہے۔ گوکہ تمام لوگ تہذیب یافتہ ہیں مگر  
آداب سے آراستہ اور دو کھٹے پڑھنے والے بچے، مومن خاں شوق کا سرِ مایہ حیات  
ہیں۔ ان کی سب سے نایاب دولت ان کے والدین ہیں۔ ان کے والد محترم اور والدہ  
محترمہ شوق صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کے فامن ہیں۔ ان محترم ہستیوں  
نے شوق صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز کیا ہے۔ مانیپ کے قدموں  
میں پڑے رہنے سے ان کے ہر عمل سے شائستگی، شرافت، محبت ٹپکتی ہے۔ طرزِ  
حیات کا یانکین، طبعیت کی تسکنتگی اور زندگی کے معاملے میں دیانت دارانہ رویہ  
یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو ان کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرنے کی محرک  
رہا کرتی ہیں۔

مومن خاں شوق ایک بے داغ، صاف گو، باکردار، نیک صفت اور  
بے خلوص انسان ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ ان کی دوستی کی گرفت میں آجاتا ہے  
وہ پابہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوق صاحب تیز کام تو ہیں ہی، نرم گفتار بھی ہیں  
ٹھہر ٹھہر کر ان کا گفتگو کرنا دالِ شورانہ طرزِ عمل کی تر جانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو

ان کی سانسوں کی خوشبو، جن کے قدموں کی آہٹ اور جن کے حسنِ سلوک اور بہترین  
صور طریقے نے ان کی بے مریا، بے غرض اور دالہانہ دوستی میں محسوس کیا ہے۔

مومن خاں شوق کی شاعری کی عمر یہی ۲۷، ۲۸ برس کی ہوگی۔ اس دوران  
ان کے تین شعری مجموعے ”بدلتے موسم“، ”چاندنی کے پھول“ اور ”نشاطِ آرزو“ شائع  
ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں پر ملک کی اُردو اکیڈمیوں نے اعزازات دیئے ہیں۔ ان کا کلام  
آلہِ قندیار پبلیکس سے نشر ہوتا ہے، ”دور درشن سے ٹیلی کاسٹ ہوتا رہتا ہے۔ روزنامہ  
”سیاست“، ”مَدَن“ کے علاوہ ملک کے تقریباً تمام اُردو رسائل میں شائع  
ہوتا رہتا ہے۔ مومن خاں شوق غزلیں بھی کہتے ہیں، قطعات بھی اور نظمیں بھی۔ کچھ ایسے  
شعر جو مجھے زیادہ پسند آئے نذر کر رہا ہوں۔

منظر کھلا کھلا ہے کئی تو نظر میں ہے ۔۔۔ باہر تلاش میں کبھی وہ شے تو گھر میں ہے  
تم مصلحت پسند نہیں ہو تو کیا ہوا ۔۔۔ ہر مصلحت پسند کسی کے اثر میں ہے  
اُتر آئے ہیں وہ محسن کُشی پر ۔۔۔ الہی کیا زمانہ آگیا ہے  
مرے پیشِ نظر کارِ جہاں ہے ۔۔۔ انہیں محفلِ سجالے کی پڑی ہے  
مسد کوئی بھی ہو سنجیدگی درکار ہے ۔۔۔ شدتِ جذبات میں بہنا کبھی اچھا ہے  
اپنی منزل اُپٹے کرنی ہے سب کو دوستو ۔۔۔ راہرو چلتے ہیں لیکن راستہ چلتا نہیں  
آدابِ زندگی ہے نہ تہذیبِ آرزو ۔۔۔ یاروں نے ایک شہر بسایا تھا کیا ہوا  
عجیب شخص ہے تنہا ملے تو کچھ نہ کہے ۔۔۔ نظربچا کے جو محفل میں دیکھا ہے مجھے  
کسے کی بات پر کیوں شوقِ حیرانی ہوئی ۔۔۔ ماں کو تم آئینے کو آئینہ جھوٹا نہیں

ہمارے شاعرانہ روابط کا ایک خوش گوار وسیلہ ہمارے ادبی جلسے اور  
مقامات ہیں۔ مسلسل ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں اور شہر اور راجستھان کے  
مشاعروں کے بارے میں ہماری مسلسل ملاقاتیں ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دورانِ  
گفتگو محسوس کیا ہے کہ مومن خاں شوق کسی بھی مسئلہ پر اظہارِ خیال میں محتاط اور  
کاثرت دیتے ہیں۔ صاحبِ رائے شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے سب سے  
انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ مجلسِ مشاورت میں اپنی انفرادیت کا احساس دلاتے ہیں  
گفتگو کے دوران قیمتی الفاظِ صالح نہیں کرتے۔ کس اور مناسب موقع کے لئے اٹھائے رکھتے  
ہیں۔ یہ انکی طرزِ تکلم کی خصوصیات ہیں جو پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں۔

مشاعروں میں اعتماد کے ساتھ کلام سُنانے ہیں۔ تحت اللفظ میں شعر سناتے  
وقت اپنی ساری شخصیت کو شعر کے معنی و مفہوم میں سموتے ہیں۔ پوری کیفیت کے ساتھ  
شعر سُنانے ہیں۔ ترنم سے بھی کلام سُنانے ہیں لیکن بہت کم۔

شوقِ صاحب کے کلام سُنانے کا اندازِ بید اثر ہوتا ہے۔ سامعین متوجہ ہو  
جاتے ہیں۔ تقریباً ہر شعر پر داد دیتے ہوئے مقطع تک پہنچ جاتے ہیں۔

شوقِ صاحب جس طرح زندگی کے دیگر مسائل کو عمدگی اور سلیقہ سے سرانجام دیتے  
ہیں اسی طرح شعر و سخن کے معاملات میں بھی وہ ہمہ دارانہ رویہ ادا کرتے ہیں۔ ہر ادبی کام خوش  
اسلوبی سے انجام دیتے ہوئے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ شوقِ صاحب ایک صلح کل معاملہ  
نہم درست نواز اور حریت شناس شہری کی حیثیت سے بھی معاشرہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔  
مجھے بھی ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو شوقِ صاحب سے بدگمان ہو۔ انکے دوستوں کی نہرست  
طویل ہے کس کس کا نام لیا جائے مختصر یہ کہ شوقِ صاحب کی ساری زندگی باوقار انداز میں اسی طرح  
گزرتی رہے گی پھولوں اور خوشبوؤں کے درمیان۔ ●●

# شیخ فروزاں

(شاعر، بہترین انسان، نقیض شہزادہ)

”شیخ فروزاں“ خاندانہ تصفیہ سکر روشن، چشم درخشاں پرئس شہامت جاہ کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس کی اشاعت پر مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ میں پرئس شہامت جاہ کو گوشتہ کچھ بیٹوں ہی سے جانتا ہوں بلکہ ان کے اور میرے درمیان بہت پہلے ہی سے شاعرانہ روادارہ چلے ہیں۔ پرئس شہامت جاہ ۵۵ سال قبل ایک ہونہار شاعر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے اور دفعہ خاموش ہو گئے نہ جانے کیوں؟۔ اس زمانے میں وہ مجھ سے ملنے کیلئے کبھی ”سیاست“ میں آتے تو کبھی سکریٹریٹ میں نے دورانِ مراسم کہا تھا کہ انہیں شعر و ادب سے بے حد دلچسپی ہے۔ اس وقت پرئس شہامت جاہ کہ میں شہر کے بعض مشاعروں میں مدعو کیا کرتا تھا۔ کچھ مشاعروں میں انہوں نے کلام شہامت یا اور داد و تحسین پائی۔

پرئس شہامت جاہ سے میرے اور رئیس اختر کے دوستانہ روادارہ کو محسوس کرتے ہوئے دلاشان پرئس معظم جاہ شہامت نے ہم دونوں (صلاح الدین نیر اور رئیس اختر) کو اپنی رہائش گاہ و قمر و لا پر یاد فرمایا تھا۔ ہیں ان



کے ساتھ عشائیہ میں شریک ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ عشائیہ کے بعد پرنس معظم جاہ شجاع نے ہم سے کلام سننے کی خواہش کی۔ اُنہیں ہمارا کلام پسند آیا۔ ہم داد و تحسین سے نوازے گئے۔ اُس دور میں پرنس شہامت جاہ کی شجہ عمر کس روزنامہ "سیاست" میں شائع ہوتی تھیں۔ فرن و لا، میں پرنس معظم جاہ شجاع کچھ دوسرے مجموعہ کلام "جاذبات شجاع" کی رسم اجراء تقریب کے وقت بھی ہم دیکھتے

اعلیٰ میر عثمان علی خاں کے دورِ حکومت میں جواں سال شہزادہ پرنس معظم جاہ شجاع کی شعرو نغمہ کی محفلوں کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ پرنس معظم جاہ شجاع نے کئی ممتاز مشاہیر شعراء کی مدد سے کئی چھوٹے کن کے دربار سے وابستہ تھے۔ حیدر آباد پر پولس ایکشن کے بعد یہ منظر بہت کچھ بدل گیا۔ لیکن روایت کی پاسداری نے دامن نہیں چھڑایا۔ اپنی کج کلاہی اور وضع داری کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی اکثر زیاتر شعرو نغمہ کی محفلوں سے سمجھتی رہیں لیکن بدلتے ہوئے حالات میں آخر کار رفتہ رفتہ ساری سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔

پرنس معظم جاہ شجاع کے انتقال کے بعد فرن و لا، پر ایک سناٹا چھا گیا۔ یہ سناٹا برسوں رہا۔ فرن و لا، کی مسلسل خموشی توڑنے کے لئے پرنس شہامت جاہ نے فرن و لا، میں شاعروں کا اہتمام کیا۔ اپنے اسلاف کی خوشگوار روایات کو جاری رکھنے کے لئے۔ اس طویل عرصے کے دوران پرنس شہامت جاہ سے میری کہیں بھی ملاقات نہیں رہی۔ پرنس معظم جاہ شجاع کے انتقال کے بعد پرنس شہامت جاہ تقریباً خانہ نشین ہو کر رہ گئے۔

ایک سال پہلے کی بات ہے کہ محترم المقام ممتاز فریشین ڈاکٹر  
 سید عبدالمنان نے ادبی ٹرسٹ کے ایک اجلاس کے بعد مجھ سے فرمایا تھا  
 کہ پرنس شہامت جہاں مجھ سے مشورہ سخن کے متعلق ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی  
 زیر نگرانی ان کا شعری سفر جاری رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش کا احترام کرتے  
 ہوئے میں نے وعدہ تو کیا لیکن نہ جاسکا۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب نے پھر مجھ  
 سے وعدہ لیا تاہم مجھ تامل رہا۔ دراصل میں اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے  
 وقت نہیں دے سکتا تھا۔ تیسری مرتبہ مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں کویتا  
 کرتے کے مجموعہ کلام "نوازش" کی رسم اجراء تقریب کے موقع پر ڈاکٹر صاحب  
 نے یہ احراز کیا کہ آپ ضرور پرنس شہامت جہاں سے مل لیں۔ آپ انہیں ہفتہ  
 یا صرف تین دن کا وقت دیجئے ایک ایک گھنٹہ کے لئے۔ اب کی بار  
 میں فائل نہیں سکا۔ چنانچہ میں ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں ایک دن  
 ۵ بجے شام فرن ولایہ پہنچا۔ پرنس شہامت جہاں نے مجھے خوش آمدید کیا۔ ان کے  
 پیچہ کی مسکراہٹ سے ظاہر تھا کہ انہیں میری آمد سے بے حد مسرت ہوئی ہے  
 فرن ولایہ کے دامن میں خوبصورت، فرحت، افتراء مرغزار سے ڈرامٹک کریم  
 گھاساں کے تلے بیٹھے رہے۔ رسمی طور پر ہم نے اپنے اپنے شاپ و روز کے  
 بارے میں بتایا۔ پرنس نے کہا کہ میری یہ آرزو ہے کہ آپ کی نگرانی میں

اپنا شعری وادبی سفر جاری رکھوں۔ اسی لئے میں نے اپنے محسن، ڈاکٹر سید عبدالمنان سے خواہش کی تھی کہ آپ یہاں آنے کی زحمت فرمائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ پر اعتماد کرتے ہیں، قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے رکھ رکھاؤ کے معترف ہیں۔ میری ادبی رفاقت کے لئے آپ کو مولوں ترین شخص سمجھتے ہیں۔

پرنس شہامت جاہ بلیک اسکول کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ جہاں ان کے اساتذہ علامہ تلمذ الحسن، ڈاکٹر صادق نقوی اور سعادت تذیر بھی تھے۔ پرنس شہامت جاہ خاص طور پر اپنے شفیع استاد ڈاکٹر صادق نقوی کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔

شعر و ادب کا ذوق انہیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کے جدِ امجد بادشاہ وقت غفرانِ مکاں آصف سادس نواب میر محبوب علی بادشاہ آصف شاعر تھے۔ دادا نواب میر عثمان علی خاں عثمان بھی اور والد محترم پرنس معظم جاہ شجاع بھی شاعر تھے۔ پرنس شہامت جاہ نے اپنے بچپن سے جوانی تک اپنے والدِ ماجد کی محفلیں دیکھی ہیں۔ شعر و نغمہ کی محفلوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

جب بھی پرنس شہامت جاہ کے ہاں جاتا ہوں تو رسمی گفتگو کے بعد وہ اپنا کلام سناتے ہیں۔ اس ایک نشست میں ہی کلام کی تصحیح ہو جاتی ہے۔

پرنس کی طبیعت میں بڑی روانی ہے۔ انہیں چھوٹی بھردوں میں شعر کہنے کا لکھ حاصل ہے۔ مشورہ سخن کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو رہا کرتی ہے۔ رسم و راہ کی پاسداری، آدابِ گفتگو، نشست و برخاست کے طور طریق ان کی شفیق والدہ محترمہ پرنس انوری بیگم صاحبہ کی تربیت کی مرہونِ منت ہیں۔ پرنس انوری بیگم صاحبہ اپنے فرزندِ دلیندہ کو بہت چاہتی ہیں ان کی یہ دلی خواہش ہے کہ ان کا نور چشم خاندان آصفیہ ہی کا روشن چراغ اور دو شعرواد کی دنیا میں اپنے والد محترم کا جانشین ثابت ہو۔

پرنس شہادت جاہ نہایت ملنسار، خلص، باادب، شائستہ اور نفیس انسان ہیں۔ شاعروں میں اپنی شعراءِ برادری سے حسبِ ضرورت ملا کرتے ہیں۔ اساتذہ اور سینئر شاعروں کا احترام کرتے ہیں۔ وہ ایک تربیت یافتہ مہذب نوجوان ہیں۔ جب بھی میں قرنِ ولایہ ہونچتا ہوں تو عزت و احترام کی پاسداری کا یہ حال ہے کہ احتراماً اُس وقت تک کھڑے رہتے ہیں تاوقتیکہ میں اپنی نشست نہ سنبھالوں۔ شاعر دوست احباب پر ہی کیا منحصر ہے، ہمدردی محفلوں کے معزز مہمان اور ادب دوست احباب بھی ان سے مل کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے شاعر دوستوں میں یوں تو بہت سے نام ہیں لیکن میرے علاوہ رنیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، مومن خاں شوق، شفیع اقبال، غلامی، ڈاکٹر راجی اور منان منظور

کچھ زیادہ ہی قریب ہیں۔ حضرت سعید شہیدری، ڈاکٹر علی احمد جلیلی کا بھی احترام کرتے ہیں۔

پرنس کے روز کے معمولات میں اردو، انگریزی کی اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ شامل ہے۔ ان کی روزمرہ زندگی کا زیادہ وقت علمی و ادبی کتابوں کے مطالعے میں گزرتا ہے۔ پرنس عام مشاعروں میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں، یہ شرکت مخصوص ادبی محفلوں تک محدود ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، سرپرست انسٹی ٹیوٹ میں منعقدہ بعض ادبی محفلوں کے علاوہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ادھر دیا رادبہ کی محفلوں میں یا بندری سے شریک ہوا کرتے ہیں۔ اپنے بہترین کلام سے مشاعروں پہ چھا جاتے ہیں۔ شرکائے محفل کا یہ تاثر ہے کہ پرنس ایک بہترین شاعر ہی نہیں ایک شائستہ و مقبلاً انسان بھی ہیں۔ خوشگوار موڈ میں مسکراتے ہوئے محفل میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں محفل میں عزت و توقیر کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے۔ ان کے شعر سنانے کا انداز منفرد ہے۔ پتہ اثر لب و لہجہ میں شعر سنانا کہ محفل گوگردا دیتے ہیں۔

پرنس شہامت جاہ ایک محبت شناس، پاکیزہ طبیعت اور نیمہ خلوص شخصیت کا نام ہے۔ شہزادگی کے فطری رکھ رکھاؤ اور خاندانی باتکپن کے باوجود ان کے مزاج میں بڑی دلکشی، سادگی و پیرکاری ہے۔ غرض نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ملتی۔ پرنس کی نرم گفتاری، لب و لہجہ کی مٹھاس مقابل کو متاثر کرتی ہے۔

طرزِ تکلم کا ایک خاص اسٹائل ہے۔ مسکراتا ہوا چہرہ ہر اس شخص کا خیر مقدم کرتا ہے جو تہذیبی اقدار کا پاسدار ہو۔

پرنس شہامت جاہ اپنے درشتے کے تسلیل کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خاندانِ آصفیہ کی شعر و ادب کی شمعیں ہمیشہ جلتی رہیں۔ وہ اپنے اسلاف کی اعلیٰ قدروں کو سرا نگوں پر رکھتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ اپنے والدین کا تحفظ ہو۔ تہذیبی روایات جو بزرگوں کی دین ہیں انہیں باقی رکھا جائے اور ان قدروں کی تجدید ہی انہیں تحفظ بھی کسی نہ کسی طرح ہوتا رہے۔

پرنس شہامت جاہ کہ اپنے اسلاف سے والہانہ وابستگی کو جیب میں نے شدت سے محسوس کیا تو دفعاً میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ پرنس معظم جاہ شجاع کی شاعرانہ عظمت اور ان کی شہزادگی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ایک محفل کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر سید عبدالمنان، پرنس محترمہ انوری بیگم صاحبہ اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں ایک ادبی اجلاس پرنس معظم شجاع کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف کے طور پر منعقد کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس تجویز کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا، بے حد سراہا گیا۔ چنانچہ میں نے ”ادارہ میرا شہر“ کے ”لوگ“ کی جانب سے عظیم الشان پیمانے پر پرنس معظم جاہ شجاع کے فن اور شخصیت پر ۵ اگست ۱۹۹۵ء کو مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ایک

ایک ادبی اجلاس کا اہتمام کیا جن کا مجھے اس تقریب کے انعقاد میں مکمل تعاون حاصل رہا۔ اس اجلاس سے قبل حیدرآباد میں کہیں کسی بھی انجمن یا ادارہ کی جانب سے پرس مخظم جواہر شمع کے فن اور شخصیت پر ادبی تقریب منعقد نہیں ہوئی تھی۔ اس مجلس کی صدارت ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کالج یونیورسٹی دہلی، نواب کاظم نواز جنگ بہادر (علی پاشا)، جناب محمود بن محمد سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب، جناب خلیل الرحمن سابق ایم۔ پی، ڈاکٹر دینکٹ راؤ صدر نشین کالج سرکاری کیش حکومت آندھرا پردیش، ڈاکٹر موہن لال نگم سابق ڈاکٹر سالار جنگ میوزیم اور پرس شہامت جواہر نے شرکت کی۔ مقررین میں ڈاکٹر صادق لقوی ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ اور ڈاکٹر احمد اللہ خاں پروفیسر شعبہ قانون جامعہ عثمانیہ شامل تھے۔ صلاح الدین تیرناظم اجلاس تھے۔ مشاعرے کی صدارت جناب امیر احمد خسرو نے کی تھی۔ مشاعرے میں شہر کے ممتاز شعراء نے شرکت کی۔ میکر بہترین دوست ممتاز شاعر جناب رئیس اختر معتمد مشاعرہ تھے۔ اس ادبی تقریب میں پرنسپل انوری بیگم صاحبہ بھی تشریف فرما تھیں۔ اس محفل کی کامیابی کے بعد میں نے سوچا کہ اس قسم کی ادبی تقریب کا ایک سال تک کیوں انتظار کیا جائے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہر ماہ ایک محفل شعر کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر سید عبدالمنان

پرنس محترمہ انوری بیگم صاحبہ اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی اور کہا کہ پرنس معظم جاہ شجاع کی شاعرانہ عظمت کو خراج پیش کرنے کے لئے کیوں نہ "قرنِ ولا" میں ہر ماہ ایک منفرد اندازہ کا مشاعرہ منعقد کیا جاتا رہے جس میں ان کی صاری شاعرانہ ردائوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ جو آصف جاہی دور کے مشاعروں کی یاد دلاتی ہیں۔ میری اس تجویز کو نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور میری تجویز پر ہی ایوانِ پرنس معظم جاہ شجاع "محفل کا نام رکھا گیا۔

ایوانِ پرنس معظم جاہ شجاع کا پہلا مشاعرہ ۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ۶ بجے شام ڈاکٹر سید عبدالمنان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پرنس شہامت جاہ میزبان محفل کے علاوہ شہر کے اردو مہندی کے نائزہ شاعروں نے شرکت کی اور کلام سنایا۔ ایوانِ پرنس معظم جاہ شجاع کے مشاعروں میں تاحال ہمانان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر جعفر نظام سابق دانش چانسلر کالج یونیورسٹی درنگل، جناب خلیل الرحمن سابق ایم۔ پی، جناب عبدالکریم خان سابق صدر نشین ریاستی اقلیتی کمیشن اور پروفیسر وینکٹ رائے سابق صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومت آندھرا پردیش ڈاکٹر طیفیہ خاں نے شرکت کی۔

'قرنِ ولا' میں مشاعروں کو سب نے اور دیگر ضروری انصرام و اہتمام



کی ساری نگرانی در پردہ پردہ پرئس محترمہ انوری بیگم صاحبہ فرماتی ہیں۔ محفل کو خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کرنا، بہتر سے بہتر انداز میں مشاعرے منعقد کرنا ان کے حسنِ سلیقہ کا ترجمانی کرتا ہے۔ مفرن دلا کے یہ مشاعرے شہر کی دیگر انجمنوں سے ہٹ کر ایک مخصوص انداز میں ہوا کرتے ہیں۔ ان مشاعروں میں صرف مدعو شعراء اور مدعو سلیقہ مند ہی ہوتے ہیں۔ مشاعرہ کا آغاز نذرِ عقیدت کے طور پر پرئس معظم جاہ شمع کی کسی ایک غزل سے ہوتا ہے۔ مشاعرے کے آغاز سے اختتامِ مشاعرہ تک محفل میں ایک پُر کیف فضا چھائی ہوئی رہتی ہے۔ حاضریں محفل اور شعراء گرام، آدابِ محفل پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں۔ مشاعرہ کو خوشگوار انداز میں جاری رکھے جانے کے لئے مکمل تعاون کیا کرتے ہیں۔ صدرِ مشاعرہ ڈاکٹر سید عبدالمنان، محبوب علی پاشاہ کی یادگار شمعِ رخش کر کے محفلِ شعر کا افتتاح کرتے ہیں۔ حسبِ روایت شمع، شاعر کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ شمع گردش میں رہتی ہے۔ ہر محفل میں جنرل سکریٹری ایوانِ پرئس معظم جاہ شمع، صلاح الدین تیر خیر مقلدی تقریر کرتے ہیں۔ مددِ رہبانانِ خصوصی کا خطاب ہوتا ہے معتمدِ مشاعرہ جناب رئیس اختر ہوا کرتے ہیں۔ اظہارِ تشکر، حسبِ روایت پرئس شہامت جاہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ معتمدِ مشاعرہ کے شکر پر خوشگوار محفل برخواستگی کی جاتی ہے۔

’فرن ولا‘ کی فضاء نہایت شاعرانہ اور پُر کیف ہے۔ مختلف رنگوں کے پھولوں  
 خاص طور پر گلاب کی شگفتگی سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ شجر اور سامعین اس محفل  
 میں شرکت کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں۔ ایوانِ شہنشاہ کا چمن نہایت خوبصورت  
 ہے۔ چمن کے ہر گوشہ سے ایک خاص تہک کا احساس ہوتا ہے۔ منظر فضا میں  
 شاعرانہ ماحول کو پُر اثر بنادیتی ہیں۔

پرنس شہامت جاہ ہماری محفلوں میں ایک مقبول شاعر کی حیثیت سے  
 بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں وارداتِ قلبی، تہذیبِ نظر، فکر و خیال  
 کی بالیدگی، تسکینِ دل و جاں اور جذبات کی فراوانی کے نمایاں عنصر موجود ہیں  
 بے ساختگی اور کلاسیکیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ عصری آگہی، عہدِ حیات  
 سے بھی ان کی فکر نا آشنا نہیں ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش نے ان کے فن  
 میں تنویرِ سحر کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ پرنس شہامت جاہ کی ساری زندگی،  
 تہذیبِ رفتہ کی آئینہ دار ہے۔ انہیں اپنے آپ کو سیٹھ کی فکر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے  
 اسلاف کے اقدار کو تازہ دم دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آصف جاہی  
 سلاطین کی اعلیٰ روایات باقی رہیں۔

پرنس کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ اسلاف کی عالیشان  
 عمارتوں کے ملبوں سے کچھ اینٹیں اٹھالی جائیں جن کو جوڑ کر عالیشان محل نہیں

بلکہ ایک چھوٹا سا گھرتیار کیا جائے جو اسلاف کی یاد دلاتا رہے۔ حالات اگرچہ بہت کچھ بدل گئے ہیں لیکن آج کے ماحول میں سانس لینا ہے اپنی انفرادیت باقی رکھتے ہوئے اپنی پہچان کا احساس دلاتے ہوئے۔

”شمیع فروزاں“ پُر لکھنے والے اور بھی دانشور ہیں اس لئے میں نے ان کے فکر و کا سرسری جائزہ لیا ہے۔ ”شمیع فروزاں“ پرنس شہامت جاہ کی دیرینہ خواہش کی آئینہ دار ہے۔ ●●

میری شاعری زندگی کے تجربات اور مشاہدات، داخلی جذبات و محسوسات سے عبارت ہے۔ زندگی حقائق، روزمرہ کی تلخیوں اور راحتوں نے میرے احساس کو جگایا ہے۔ میرا شعری سفر ان ہی لازوال کیفیات کی دین ہے۔ اس شعری سفر کے دوران مجھے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ثابت قدم رہوں۔ میں نے اپنے شعری سفر میں متوازن ادبی رویہ کو اپنایا ہے۔ مسلسل سفر کو زندگی کی روشن علامت سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی مخصوص تحریک یا گروہ سے اپنے آپ کو وابستہ نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ فنکار گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ہی اچھا فن تخلیق کر سکتا ہے۔

●●

(رشتوں کی ہلک)

# ”قلم بولتا ہے“

(بہاول سال باصلاحیت شاعر۔ وقار ریاض)

ادبِ عالیہ کی پہچان بن کر جب کوئی باصلاحیت، ہر نہاد شاعر پر اپنی شعرداد کو مہکتے ہوئے سارے ادبی ماحول کو معطر کر دیتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شاعر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ادبی اُڑان بھرتے ہوئے دانشورانِ شعر و ادب کی مغل میں جلوہ گر ہے۔ ایسے ہی شاعر عجب محفلِ افشانی، شہر زنی اور وارداتِ قلبی کے اظہار کا ذریعہ بن جاتے ہیں تو معاشرے کی بنی بگڑتی ساری تصویریں شہادت کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔

اپنی شاعرانہ پہچان کے لئے ایک شاعر معاشرے کے خد و خال میں اس طرح رنگ بھرتا ہے کہ اُس کی تخلیقات پر اُس شخص کی ذات کا ایک حصہ بن جاتی ہے جو نرم و گرم حال سے گزرتا رہتا ہے۔ وقت کی تیز روی ہر اُس تخلیق کو جگاتی ہے جس کا فن وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ فکر و خیالِ بلند یوں کو چھونے والے، آئینہ صفت، فطرت شناس شاہین نواز بشعور شاعروں میں قابلِ ذکر ایک سنگتہ اور اہم نام وقار ریاض کا بھی ہے جس نے ۱۰ سال پہلے پہلے، پاکستان کی گرم گرم ریت سے گزرتے ہوئے طوفانوں اور حوادث کی زد میں رہتے ہوئے منزلِ رسی کی بے پناہ خواہشوں کے ساتھ اپنے خوشگوار سفر کا آغاز کیا تھا۔ آج وہی رہ رو منزلِ شوق، کھلے آسمان تلے اپنی زمین

سے جڑا ہوا کھلی فضاؤں میں سانس لیتے ہوئے سرگرم سفر ہے۔

اس دور کے نوجوان شاعروں میں وقار ریاض کا نام ایک خاص و امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اپنے فن سے والہانہ وابستگی رکھنے والا یہ ذہین و فطین شاعر اپنے روشن مستقبل کی قحط بن کر اُفتخ شاعری پر تیزی کے ساتھ ابھر رہا ہے۔ اس کے اشعار میں زندگی کی حرارت، جذبات کی صداقت، مشاہدات کی دلپذیری، احساس کی تازگی اور شعور کی بالیدگی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

اپنے جذبات، مشاہدات اور واردات قلبی کی بھٹی میں تپ کر جب کوئی شاعر تخلیقی سفر سے گزرتا رہتا ہے تو اُس کی تخلیق، دیرپا تاثر کی طرح دستاویزی شکل اختیار کر جاتی ہے وقار ریاض جیسے نہ جلنے اور رکتے شاعر ہوں گے جو اپنے فن کے ذریعے اپنی شناخت بنانے میں مصروف ہیں۔

ہر دور کی طرح آج کا دور بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے لئے سازگار ہے۔ بھی اور نہیں بھی۔ حالات نے ہر دور کے قلمکار کو متاثر کیا ہے۔ ہر قلمکار اپنے دور کا نباض ہوتا ہے۔ وہی شاعر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ ادب میں زندہ رہتا ہے جو حالات کی بے راہ روی اور نیت نئی الجھنوں کا شکار ہوتے ہوئے بھی پامردی، مستقل مزاجی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے میدان میں دم جمائے ہوئے رہتا ہے۔ مصلحت شناسی، تنگ نظری، موقع پرستی اور کم نگاہی، قلم کی بے پناہ طاقت کو روک نہیں سکتی۔ قرطاس و قلم کی حرمت کا خیال رکھنے والے تخلیق کار، دامنِ شعور و ادب کو ہمیشہ ہسکتے رہیں گے۔ اپنے فن سے دیانت داری برتنے والے اہل فن اپنے مثبت کاموں کے نمایاں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔

وقار ریاض اپنے ہم عصر شاعروں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے اشعار

سے جہاں پھولوں کی شگفتگی کا احساس ہوتا ہے وہیں تلخی و دواں اور شر و بارنگاہی کا عکس بھی  
 بھٹکتا ہے۔ سلاسیکی اقدار کا پاسداری، ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات کا علم بردار،  
 زندگی کے اُجالوں کا طرفدار، ٹھنڈی چھاؤں اور پستے ہوئے صحراؤں میں اپنے قلم کی پیر و ریش  
 کرنے والا یہ شاعر اپنے وجود کا ہمیشہ احساس دلاتا رہے گا۔ وقار ریاض کی شاعری، دھوپ چھاؤں  
 نرمی گرمی، شبک غلامی اور تیرنگی سے عبارت ہے۔ جہاں ان کے اشعار سے پھول برستے ہیں  
 وہیں شعلوں کی برسات بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس دور کے شاعر کے ہاں موضوعات کی کمی نہیں  
 ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قلم کی کاٹ کیا گل کھلاتی ہے اور وہ کن کن مرحلوں سے گزرتا ہوا اپنے اعلیٰ  
 منصب کا حق ادا کرتا ہے۔

تہذیب، شائستگی اور روایت سے وقار ریاض کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ ماضی کی اعلیٰ  
 روایتوں کے طرفدار ہوتے ہوئے بھی شاعر نے آج کے حالات سے منہ نہیں موڑا۔

وقار ریاض کو میں نے کل چند مشاعرہ میں بھی سنا ہے، مخصوص شعری نشستوں  
 میں بھی۔ ان کی شاعری دل کو چھو نے والی اور فکر و خیال کی آبرجانی کرنے والی شاعری ہے۔  
 ان کے پڑھنے کا انداز نہایت پُر اثر ہوتا ہے۔ اچھے شعر کو اچھے انداز میں پیش کرنا باکمال شاعروں  
 کا ایک بہترین وصف سمجھا جاتا ہے، یہ اعزاز وقار ریاض کو حاصل ہے۔ تحت میں کلام سنا  
 ہیں اور کچھ اس طرح کے ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کر لیتے ہیں۔ وقار ریاض ان کا کتاب  
 شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت ادبی حلقوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔

وقار ریاض کے اس پہلے مجموعہ کلام ”قلم بولتا ہے“ میں حمد باری تعالیٰ، نعتیں،  
 منتقیتیں، غزلیں اور نظموں کے علاوہ قطعات اور متفرق اشعار بھی شامل ہیں۔ وقار ریاض  
 نے ہر صنف شاعری میں اچھے شعر کہے ہیں لیکن غزل میں ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار

کھل کر ہوا ہے۔ صنفِ غزل تمام اصنافِ سخن میں ایک کھیدی رول ادا کرتی ہے۔ زندگی کے کونسے ایسے مسائل ہیں جن کی غزل متحمل نہ رہی ہو۔ وقارِ ریاض کو نظم گوئی پر بھی دسترس حاصل ہے۔ دیگر اصنافِ سخن بھی اردو شاعری کا سرمایہ ہیں۔ فنی عظمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ ان کی بعض موضوعاتی نظمیں ادبی تاریخ کا ایک حصہ بن کر زندہ رہیں گی۔ مذہبی شاعری پورے عقیدت و احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ فن سے ان کی وابستگی نے پاک و صاف شعر کہلوائے ہیں۔ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقارِ ریاض ایسے شاعر ہیں جنکی تخلیقات ہر دور میں شوق سے پڑھی جائیں گی۔ ”قلم بولتا ہے“ کے منتخب شعر یقیناً قارئین کے ذوقِ سلیم کی تسکین کا باعث بنیں گے۔

### مکمل شدہ شعر

جو راہِ حق میں کسے ہم کو ایسا سر دینا ..... ہمارے دل میں غمبول کا درِ دھیر دینا  
دیئے ہیں تو نے جہاں بھی حسینِ نظار ..... تو پھر خدایا ہمیں چشمِ مقبر دینا

### منتخب شعر

یقین ہے اُن کے حصّہ میں کہیں ذلت نہیں آتی :۔ کوئی ناکامی دنیا کوئی لعنت نہیں آتی  
خدا کے ساتھ جو صلی علی کا نام لیتے ہیں :۔ کبھی بھولے سے پاس اُنکے کوئی اُفت نہیں آتی  
منقبتِ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ

فرداں دل میں ہے شمعِ محبت میرِ خواجہ کا :۔ جدھر دیکھوں نظر آتی ہے صورتِ میرِ خواجہ کی  
منتخب کلام

ذہن و دل پر نفرتوں کے جب نشاں باقی رہے :۔ پھر ہمارے بھائی جیسے تم کہاں باقی رہے  
رو میں امریکہ، یمن سے چین سے کیا واسطہ :۔ میں یہ چاہوں گا مگر ہندوستان باقی رہے

فامنے کچھ اس قدر ہیں اب دلوں کے دریا :۔ لوگ تھک کر سو گئے ہیں سرحد طے کر دیا  
 غم کو حیرت ہے کہ وہ بھی رو رہا تھا کھوٹ کر :۔ زندگی جس نے لگاری قہقہوں کے دریا  
 یہاں توں آلودہ منظر بھی ہوگا :۔ چھٹا آستینوں میں خنجر بھی ہوگا  
 ستمبر بھی ہوگا نومبر بھی ہوگا :۔ نئے سال میں چھ ڈسمبر بھی ہوگا  
 اپنی چاہت کا میں یوں بھی صلہ دیتے ہیں :۔ دل میں سوئی ہوئی نفرت کو جگا دیتے ہیں  
 ہم دھو پوچھ لیں اُن سے کبھی قاتل کا نشان :۔ ہم کو ہر وقت یہ باہر کا پتہ دیتے ہیں  
 تلخ ہے میری زبان تو کیا ہوا :۔ دل میں نہ کھتا ہوں تمہارا پیار بھی  
 مانسا ہوں آپ میسر بھائی ہیں :۔ بیچ میں دو لوگوں کے ہے دیوار بھی  
 نہیں سوچا کہ گھر کس نے جلایا :۔ مرا گھر کیوں جلا سوچا بہت ہے  
 ترے سامنے میں ہے دنیا و عقبی :۔ مرے گھر ماں باپ رہنا بہت ہے  
 بھلا کب تک یہ منظر گردشِ پیام دیکھیں گے :۔ تھکے ہارے ہوئے مزدور صبح و شام دیکھیں گے  
 کہاں کی لوکری ملتی نا کہاں سے منتخب ہوتے :۔ تجھے معلوم تھا وہ لوگ میرا نام دیکھیں گے  
 جہاں میں کہیں جب کسٹم بولتا ہے :۔ وہیں پر ہمارا قلم بولتا ہے  
 اپنے مسکوں کے شام و سحر کون لے گیا :۔ رستے سے کاٹ کر وہ شجر کون لے گیا  
 مراد سخن نہیں آیا ابھی تک :۔ مرے بھائی سے شائد جا ملا ہے  
 وہ لمحے زندگی کے ٹرے جاں سوز بہتے ہیں :۔ بڑھاپے میں کسی کے ساتھ جب بیٹا نہیں ہوتا  
 حالات کے سورج نے تو قدر اُن کا بڑھایا :۔ نادان ہیں سائے کو بھی سایہ نہیں کہتے  
 چہرے کے سارے عیب چھپانے کے واسطے :۔ آئینہ اپنے گھر کا مجھے توڑنا پڑا



ڈاکٹر سی. نارائن ریڈی  
سابق ماسٹر چائلڈ تھریپسٹ

## ”رشتوں کی مہک“

(رسم اجراءِ تقریب کے موقع پر)

محترمہ گورنر صاحبہ، کمودین جوشی، جسٹس سردار علی خاں صاحب، جناب  
عابد علی خاں صاحب، پروفیسر مغنی تبسم صاحب، شری موہن لال نگم اور میسر دوست  
صلاح الدین نیئر صاحب اور محترمہ حاضریں۔

آپ نے مجھے جناب صلاح الدین نیئر صاحب کے مجموعہ کلام ”رشتوں کی مہک“  
کی رسم اجراء کی تقریب میں شرکت کے لئے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جو عزت بخشی ہے  
اس کے لئے میں تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں۔

ادب تو از حضرات !

نیئر صاحب کی یہ کتاب ”رشتوں کی مہک“ پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ  
اس رشتہ کی مہک نے میرے دل میں سوئے ہوئے شاعر کو جگا دیا۔ نیئر صاحب کے جفا شعراء  
پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

رام و لچھن کی زمیں پر ایک لچھن اور ہے

ساری لٹکا جل چکی ہے ایک راؤن اور ہے

ہاں! آج کے سماج کے نقشے پر گہری نظر ڈالیں تو ہر ایک کو پتہ چلے گا کہ آج

راؤن کہاں کہاں ہیں اور کس روپ میں ہیں۔ آج کے راؤن کو دس سر نہیں ہیں بلکہ آپ اور

ہمارے پچھلے صرف ایک سر ہے۔ صرف ایک شاعر ہی اپنی x-ray کی نظر سے پہچان سکتا ہے کہ رائڈن کون ہے اور رام کون ہے۔

ایک اور شعر نیر صاحب کا ملاحظہ فرمائیں۔

زندگی ارزاں سہی خوش رنگ چہروں پر نہ جا

مانگ میں جس کی لہو ہے وہ سہاگن اور ہے

قدر دانِ سخن، جان گئے ہونگے کہ اس شعر میں اشارہ کس کی طرف ہے مانگ سیندور سے سنواری جاتی ہے لیکن آج کے حالات اتنے افسوسناک ہیں کہ مانگ میں سیندور کے بجائے خون سجایا جاتا ہے۔ ہاں! سیندور اور خون کا رنگ سرخ ہے لیکن لہو سے مانگ سجانے کے پیچھے جو دردناک پس منظر ہے اس کو اظہار کرنے میں نیر صاحب نے جو نیا احساس دکھایا ہے اس کا کوئی جواب نہیں — میں یہاں ایک اور شعر پیش کر رہا ہوں۔

نیر! ارہو گے جب بھی صلیبوں کے درمیان مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن رہے  
نیر صاحب نہ صرف رومانی شاعر ہیں بلکہ ترقی پسندی اور حب الوطنی کے علمبردار بھی ہیں۔

دوستو! آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیس کس سمت جا رہا ہے ہر طرف بد امنی پھیلی ہوئی ہے جس نے مادرِ وطن کی چھاتی سے دودھ پیا ہے آج اُسی کے کچھ پر خنجر سے وار کرنے کے لئے تیاری کی جا رہی ہے۔ آج دیس کے غداروں کے ہاتھ میں اگر موت بھی آجائے تو نیر میں چھپا ہوا شاعر کہتا ہے۔ یارو! مرنے کا مجھے غم نہیں لیکن مٹی وطن کی ہاتھ میں رہے کب؟ جب سر پہ کفن رہے۔

دوستو! اگر میں یوں ہی ”رشتوں کی جہک“ کو پھیلاتا جاؤں تو میر  
 شعر، بادِ صبا جیسی تازگی لئے بھوئے دلوں میں زخموں کے گلابوں کو کھلائے  
 ہوئے لہرا اٹھئے گا۔ ●●

۶۹۸۷

طیور سحر!

تلگو یونیورسٹی کی جانب سے آپ کو اردو کے ممتاز شاعر  
 کی حیثیت سے اعزاز دینے کے سلسلے میں ۱۳ فروری ۱۹۹۲ء کو  
 تلگو یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی تقریب کے بارے میں اطلاع  
 دی جا چکی ہے۔ وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی ڈاکٹر سی. نارائن ریڈی  
 صدارت کریں گے۔

ڈی کمشنر نارائین  
 رجسٹرار تلگو یونیورسٹی

تلگو یونیورسٹی  
 ۵ فروری ۱۹۹۲ء

ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی  
سابق وائس چانسلر ملگو یونیورسٹی

## ”قافلہ چلتا رہے گا“ (رسم اجراء انجام دیتے ہوئے)

مجھے اپنے ایک بہترین دوست ممتاز شاعر جناب صلاح الدین نیر سے فن اور شخصیت پر لکھی ہوئی تحریروں پر مشتمل کتاب ”قافلہ چلتا رہے گا“ کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے۔ محترمہ صالحہ لطاف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے نہایت عمدگی کے ساتھ اس کتاب کی ترتیب و ترتیب کے بعد سلیقہ سے چھپوایا۔  
صلاح الدین نیر سے میسر دیرینہ دوستانہ و شاعرانہ مراسم ہیں۔ نیر صاحب ایک باصلاحیت شاعر اور ایک باشعور ادیب ہونے کے علاوہ ایک نفیس انسان بھی ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ان کی شخصیت پر اس کتاب میں شامل تحریروں کو پڑھنے کے بعد آپ کو بھی اندازہ ہوگا کہ آپ کے شہر کا شاعر، معاشرے میں اور اردو ادب کی دنیا میں کس درجہ اونچا مقام رکھتا ہے۔ صلاح الدین نیر صرف شاعری نہیں بلکہ ایک عملی انسان بھی ہیں۔ اگر ایمانہ ہوتا تو ان کے اب تک آٹھ شعری مجموعے اور ان سے متعلق تین نثری کتابیں منظر عام پر نہ آتیں۔

صلاح الدین نیر کی ادبی شہرت ہندوستان کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ کے باہر بھی ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ساری اردو ادبی دنیا میں ان کی شاعرانہ پہچان

محبوب تھی ہے۔ ہمارے لئے اور ہمارے شہر کے لئے بھی یہ بات قابلِ فخر ہے کہ ہمارے شہر کا یہ شاعر تمام ادبی حلقوں میں عزت و احترام کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ صلاح الدین نیئر کا سفر جاری ہے، وہ کسی بھی منزل پر رُکنے کے قابل نہیں ہیں۔ ”قافلہ چلتا رہے گا“۔ بھی بہت ہی اچھا اور یاد رکھا جانے والا نام ہے۔ میں صالحہ اسطاف اور ڈاکٹر صاحبہ سعید کو اس بہترین نام کے انتخاب پر مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔ نیئر صاحب کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی دوستی نہایت دیانتداری کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ مخلص اور بامروت انسان ہیں۔ اُردو زبان کے شاعروں، ادیبوں کے ساتھ ساتھ ہندی اور بنگلو کے شاعروں کے ساتھ بھی ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ نیئر صاحب کی مقبولیت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ انسانی رشتوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان سے ملنے والوں کی فہرست ایک عام آدمی سے لے کر ایک اعلیٰ مرتبت انسان تک شامل ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو اس بات کا اندازہ ہو گا کہ صلاح الدین نیئر اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے سے ہی مقبولیت کی فہرستیں طے کرتے آ رہے ہیں۔ مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ایک بار میں اپنے درستیوں کی محفل میں موجود ہوں۔

”قافلہ چلتا رہے گا“ میں لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ممتاز دانشوروں نے نیئر صاحب کی ادبی خدمات اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا احترام کرتے ہوئے اپنے ذوقِ سلیم کا ثبوت دیا ہے۔ میرے خیال میں انہیں کے فن اور شخصیت پر یہ ایک جامع کتاب ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں میں آپ کے ساتھ اس پُر مسرت محفل میں شریک ہو کر اپنی خوشی میں اضافہ کر رہا ہوں۔

(رسمِ اجرا انجام دیتے ہوئے)

بیتر صاحب نے اس کتاب میں اپنے بعض اہل قلم دوستوں کے بہت ہی

دلچسپ اور متاثر کن خاکے لکھے ہیں۔ بعض مشہور ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر بھی اُن کے مضامین اور تبصرے شامل ہیں۔ ان کے سفر نامے بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔ نیر صاحب نے اپنی تحریروں میں نہ صرف اپنے شخصی مراسم کا ہی تذکرہ کیا ہے بلکہ اُن تحریروں کے پس منظر میں علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی ماحول کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں۔ ان کی بعض تحریریں آٹو بیگرافیکل ہوتے ہوئے بھی نہ صرف شخصی دکھائی دیتی ہیں بلکہ اُن میں سماج کے شعور اور اُس زمانے کے رجحانات کا عکس بھی ملتا ہے۔

میرے دوست صلاح الدین نیر نے میرے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔ انسانی تعلقات اور دوستی کی قدریں دن بہ دن گھٹی جا رہی ہیں۔ سماج کے اکثر لوگ خود غرض، حسد اور انسان دشمنی کا رول ادا کر رہے ہیں۔ فن اور سخن، تجارتی ماحول کے چوکھٹے میں جکڑے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں نیر صاحب نے انسانی دوستی کے ساتھ ساتھ اپنی شاعرانہ وضع داری اور بانگین کو بھی باقی رکھا ہے۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں، میرا مشاہدہ ہے کہ نیر صاحب زندگی کے ہر مرحلے پر نہایت قدما کا ثبوت دیتے آ رہے ہیں۔

صلاح الدین نیر نے اپنی شاعرانہ پہچان کے بل بوتے پر جدہ، ریاض، دوحہ قطر اور کویت تک پرواز کی ہے۔ اور بھی اونچائی تک اُڑنے کے لئے اُن کے پیر پیر والد، چچا تول رہے ہیں۔

سماج کے ایک اہم فرد، نامور شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بھی اُن کی انکسارانہ طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کتاب میں نیر صاحب نے خراج عقیدت کے طور پر مدبر سیاست

دلچسپ اور متاثر کن خاکے لکھے ہیں۔ بعض مشہور ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر بھی اُن کے مضامین اور تبصرے شامل ہیں۔ ان کے سفر نامے بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔ نیر صاحب نے اپنی تحریروں میں نہ صرف اپنے شخصی مراسم کا ہی تذکرہ کیا ہے بلکہ اُن تحریروں کے پس منظر میں علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی ماحول کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں۔ ان کی بعض تحریریں آٹو بیگرافیکل ہوتے ہوئے بھی نہ صرف شخصی دکھائی دیتی ہیں بلکہ اُن میں سماج کے شعور اور اُس زمانے کے رجحانات کا عکس بھی ملتا ہے۔

میر کے دوست صلاح الدین نیر نے میرے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔ انسانی تعلقات اور دوستی کی قدریں دن بہ دن گھٹتی جا رہی ہیں۔ سماج کے اکثر لوگ خود غرض، حسد اور انسان دشمنی کا رول ادا کر رہے ہیں۔ فن اور سخن، تجارتی ماحول کے چوکھٹے میں جکڑے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں نیر صاحب نے انسانی دوستی کے ساتھ ساتھ اپنی شاعرانہ وضع داری اور بانپن کو بھی باقی رکھا ہے۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں میرا مشاہدہ ہے کہ نیر صاحب زندگی کے ہر مرحلے پر نہایت قدمی کا ثبوت دیتے آ رہے ہیں۔

صلاح الدین نیر نے اپنی شاعرانہ پہچان کے بل بوتے پر جدہ، ریاض، دوحہ قطر اور کویت تک پرواز کی ہے۔ اور بھی اونچائی تک اُڑنے کے لئے اُن کے پیر پیر والد، پُر تول رہے ہیں۔

سماج کے ایک اہم فرد، نامور شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بھی اُن کی انکسارانہ طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کتاب میں نیر صاحب نے خراج عقیدت کے طور پر ”میر سیاست“



ممتاز دانشور جناب عابد علی خان (مرحوم) کے بارے میں یوں کہا ہے۔

بلندیاں اُتر آتی تھیں اُس کے آنکھ میں

زمین پر رہتا تھا وہ شخص آسمان کی طرح

اس شعر کے آئینہ میں صلاح الدین نیئر کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے،

وہ اس لئے کہ نیئر صاحب شاعر ہونے کے ناطے اگر عین بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں لیکن

۱۹۹۳ء

اُن کے قدم زمین پر جمے ہوئے ہیں۔ ••

میں ایسی ہی شاعری کو قابلِ احترام سمجھتا ہوں جو  
زندگی کی روشنی اور تعمیری اقدار کی ترجمانی ہو۔ میری شاعری  
اور میرے نظریہ فکر و فن میں کلاسیکی قدروں کے ساتھ ساتھ  
آپ کو ترقی پسند رجحانات اور عصری آگہی کی مثبت علامتیں بھی  
ملیں گی۔ میں اُن تمام باوقار پُر خلوص اور محبت شناس شخصیتوں  
کا بھی سپاس گزار ہوں جنہوں نے زندگی کے مختلف مرحلوں  
پر مجھے متاثر کیا ہے۔ میں اپنی زندگی کے اُن مرکزی اور غیر مرکزی  
کرداروں کو بھی یاد کرتا ہوں جن کی خوشبو کی جگہ میری نظموں کے  
ایک ایک حرف میں بسی ہوئی ہے۔ آخر میں اُن تمام پاکیزہ رشتوں  
کو سلام کرتا ہوں جن کی دعاؤں کے اثر نے مجھے طوافِ خانہ کعبہ  
اور زیارتِ گنبدِ خضرا کی برکتوں اور فیضان سے سرفراز کیا۔

(یہ کیسا رشتہ ہے)

# صلاح الدین نیتر

باشم صن سعید

ایم۔ اے (عثمانیہ)  
پرنسپل کالج آف ٹکنالوجی

(لیکن ترے دامن کو میں آواز نہ دوں گا)

صلاح الدین نیتر کی شاعری اور شخصیت پر اب تک بہت سوں نے لکھا ہے لیکن میں نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ حالانکہ نیتر سے میری ۲۵ سال سی رفاقت ہے لوگ پوچھتے ہیں اور ان کا پوچھنا بجا بھی ہے کہ آخر نیتر پر میں نے کیوں نہیں لکھا۔ جبکہ نیتر کے ایک دو مجموعہ کلام کو پڑھ کر یا مشاعروں میں ان کی چند ترنم ریز غزلیں سن کر ہر کوئی کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہے۔ لیکن یہ بات تو صرف میں جانتا ہوں کہ نیتر پر یا نیتر کی شاعری پر میں نے قلم کیوں نہیں اٹھایا۔ آج جبکہ مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں نیتر کے فن اور شخصیت پر کچھ اظہارِ خیال کروں، تو میں نے سوچا چلے اس سربستہ راز کا انکشاف کر ہی دوں جو میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔

مجھ کہنے دیجئے۔ نیتر جہاں ایک اچھے شاعر بہت اچھے شاعر ہیں وہیں وہ ایک اچھے انسان بھی ہیں۔ ایک اچھے انسان ہونے کے ناطے وہ جو کچھ سوچتے ہیں یا کرتے ہیں اُسی کا پیر تو ان کی شخصیت اور ان کے فن میں ملتا ہے۔ وہ بہت ہی صاف گو اور صاف دل آدمی ہیں۔ کینہ کپٹ چھل چھیل سے کوسوں دور۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتے ہیں اور نہ کسی کی حق تلفی ہونے دیتے ہیں۔ حق و صداقت کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے ان میں ”جراتِ زندان“ بھی ہے اور ”آئینِ جوانمردی“ کی بے باکی بھی۔

ان کی صاف گوئی بسا اوقات دوسروں کو ناگوار خاطر ہی نہیں گزرتی بلکہ خود ان کے لئے بھی سببِ مصیبت بن جاتی ہے۔

نیر سے ایک شریف النفس شخص ہیں۔ ان کی شرافت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ وہ اپنے بدخواہوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ ایسی رنجش و افتاد اپنی جگہ پر لیکن جب زبان و ادب کا سوال آتا ہے تو وہ اپنا دستِ تعاون دراز کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ انہیں کرسی سے کہیں دلچسپی نہیں رہی بلکہ ہمیشہ کرسی نشین کی اس طرح تعظیم و تکریم کرتے ہیں کہ کرسی نشین سچ اپنے آپ کو کرسی کا اہل سمجھنے لگتے ہیں۔

نیر سے ساری دنیا کا غم ہاتھ لیتے ہیں لیکن اپنے غم میں کسی کو حصہ دار بننے نہیں دیتے۔ وہ ہر صدمہ کو خاموشی سے سہ لیا کرتے ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کے اسی رویہ کا مظہر ہے۔

پلکوں میں چھپالوں گا اُمڈتے ہوئے آنسو

لیکن ترے دامن کو میں آواز نہ دوں گا

نیر سے میری ملاقات اُن دنوں ہوئی جب میں یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اور وہ اد رینٹل اُردو کالج کے طالب علم تھے۔ یہ سنہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ یادیں تو بہت پُرانی ہیں مگر جب سوچتا ہوں تو تازہ لگتی ہیں۔ اُس زمانہ میں بین الکلیاتی اُردو فیسول کا خوب شہرہ تھا۔ فیسول ہر سال شاندار طریقہ پر منایا جاتا تھا۔ جو شامِ نغمہ شبِ تمثیل اور کلِ ہند مشاعرہ پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ ہر پروگرام کے لئے ایک الگ کنوینر منتخب کیا جاتا تھا۔ نیر اس سال کلِ ہند مشاعرہ کے کنوینر تھے۔ یہ مشاعرہ نہایت

نظم و ضبط کے ساتھ منعقد کیا گیا تھا۔ اس مشاعرہ میں مجروح، ساحر، فراق اور جان نثار اہم ترین بھی شریک تھے۔ اور ان کے علاوہ بہت سے چوٹی کے شعراء بھی ساحر، فراق اور جان نثار اختصار دیکھا جی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم سب طلباء اُن سے ملاقات کرنے اور اُن کا تازہ کلام سُننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ نیر نے بحیثیت کنوینر ان تمام مہمان شاعروں کی خوب خاطر مدارات کی اور مشاعرہ میں واہ واہ کی مدائیں سُن کر ایسا لگا کہ اب چھتیس اُڑنے والی ہیں۔ یہ سب نیر کے حسن انتظام کا نتیجہ تھا۔ ان ہی دنوں میری اور نیر کے ملاقات ایک ایسی اہمیتی سے ہوئی جس نے اپنے کہ دار اور اخلاق سے ہم دونوں کو گہر ویدہ کر لیا۔ نیر کو تو ایسا لگا جیسے کل کا سینا سمٹ کر اس ہستی میں آگئی ہو اور یہی ہستی آگے چل کر ”گل تازہ“ کی تخلیق کا محرک بنی۔ ”گل تازہ“ کے بارے میں مجھے کہنے دیجئے یہ کوئی تخیلی سپ کہ نہیں ہے بلکہ گوشت کا حجم پیکر ہے۔ یہ دوسروں کے لئے ماورائے تصور ہو سکتا ہے لیکن کم از کم میرے لئے نہیں ہو سکتا۔

آپ نیر کا سارا کلام دیکھ لیجے ہر جگہ اُسی ”گل تازہ“ کی ہلکے گی جی کہ ہر مجموعہ کلام کے نام میں تک خوشبو کے اس سفر کا تسلسل موجود ہے۔ حسرت کی شاعری میں بونے پیر، اور فیض کی شاعری میں طوق و سلاسل، جس طرح علام کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اسی طرح ”گل تازہ“ نیر کی شاعری میں ایک علامت بن گیا ہے۔ نیر کے جذبے کی پاکیزگی ان کے شریف النفس ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے مگر ساتھ ہی انہیں اس کی فکر لگی رہتی تھی۔

ہم تو صحرانعبی ہی ٹھہرے تیرا کیا ہو گا اے گل تازہ

نیر کی شاعری کا محور محض تازہ، ضرور ہے لیکن ان کے تخیل کی وسعت انہیں اسی میں محصور نہیں رکھتی۔ وہ جذبات سے بالاتر ہو کر فکر کے اس دریچے کو کھول دیتے ہیں جہاں سے وہ اپنے ماحول اور گرد و پیش کو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ خوفناک سانس لیتے ہیں اس میں ہلکا سا ارتعاش بھی ان کے احساسات کو ہمیر کرتا ہے۔ اس کا اظہار ان کی غزلوں میں بھی ملتا ہے اور نظموں میں بھی۔

میںخانہ کی تہذیب پہ یہ سخت گھڑی ہے  
رندوں میں یہ کیوں آخر شب بھو پیر ہے  
خوشبوئے بہاراں در زنداں پہ گھڑی ہے  
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

نیر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ویسے انہوں نے بہت سی عمدہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ جو داخلی اور خارجی دونوں رجحانات کی آئینہ دار ہیں۔ یعنی یہ نظمیں ان کے سیاسی اور سماجی شعور کے علاوہ ان کے وارداتِ قلبی کی مظہر ہیں۔ نیر کی غزل بیڑی ترنم ریتہ ہوتی ہے وہ الفاظ و تراکیب کی موسیقیت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مشاعرہ میں اپنے مخصوص لہجہ اور ترنم سے غزل سناتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ترنم سے کئی مشاعرے لوٹ لیئے ہیں۔

نیر کی شاعری کے ظاہری بانگس میں باطنی حُسن ہر جگہ جھلکتا ہے ان کا کلام صفحہ قرطاس پر نہ لکھا گیا ہے بلکہ اس کا جذبہ نظر لگتا ہے۔ جتنا سننے میں پیراثر ہوتا ہے وہ بیشک ایک غنائی شاعر ہیں لیکن ان کی غنائیت ان کے افکار اور احساسات پر غالب نہیں ہے۔ اس غنائیت کی تہہ میں درد و کرب بھی ہے انجانے اندیشے بھی پیغامِ انسانیت بھی ہے اور تلخ حقیقتوں کا اظہار بھی۔ جمالیاتی شاعری میں یہ نیر کا مفرد رنگ و آہنگ ہے جو ان کے کلام میں بہت کم ملتا ہے۔

صالح الطاف  
(مدیر خاتون دکن)

## پھر وہی پرچھائیاں

(رسم اجراء کے موقع پر)

نیر بھائی کی کتاب ”پھر وہی پرچھائیاں“ کی اشاعت میرے لئے باعثِ فخر ہے۔  
”پھر وہی پرچھائیاں“ کی اشاعت سے بھی مجھے اتنی ہی خوشی حاصل ہوئی ہے جتنی خوشی  
اُن کی دوسری کتابوں کی اشاعت کے موقع پر ہوئی تھی۔ نیر بھائی کا شعری، ادبی و تنقیدی  
سفر بلا تکرار جاری ہے بالکل بادمبا کی طرح۔

صلاح الدین نیر جب کوئی علمی و ادبی کام اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اُس کے خوشگوار  
اختتام تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ ان کی سیما صفت طبیعت نے انہیں علمی و ادبی سفرِ عمر  
میں مصروف رکھا ہے۔

آپ تمام واقف ہیں کہ صلاح الدین نیر کے تاحال شعری مجموعے ”گلِ تازہ“  
”زمینوں کے گلاب“، ”صنم تراش“، ”شکن در شکن“، ”موضوع کا سفر“، ”رشتوں کی مہک“،  
”سفر جاری ہے“ اور ”یہ کیا رشتہ ہے“ شائع ہو چکے ہیں۔ اور حال ہی میں ایک اور  
شعری مجموعہ ”کیا کیا جائے“ شائع ہو چکا ہے۔ خود نوشت سوانح ”سلسلہ بھولایا  
کا“، ”عظمت عبد القیوم فن اور شخصیت“ اور ”عظمت فیاض“ بھی اس سلسلہ  
کی کڑیاں ہیں۔ تلو میں ”گلِ تازہ“ کی منتخب غزلوں کا مجموعہ ”نیر گیتا لو“ کے نام سے

صالح الطاف  
(مدیر خاتون دکن)

## پھر وہی پر چھائیاں

(رسم اجراء کے موقع پر)

نیر بھائی کی کتاب ”پھر وہی پر چھائیاں“ کی اشاعت میرے لئے باعثِ فخر ہے۔  
”پھر وہی پر چھائیاں“ کی اشاعت سے بھی مجھے اتنی ہی خوشی حاصل ہوئی ہے جتنی خوشی  
اُن کی دوسری کتابوں کی اشاعت کے موقع پر ہوئی تھی۔ نیر بھائی کا شعری، ادبی و تہذیبی  
سفر بلا تکان جاری ہے بالکل بادمبا کی طرح۔

صلاح الدین نیر جب کوئی علمی و ادبی کام اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اُس کے خوشگوار  
اختتام تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ ان کی سیاب صفت طبیعت نے انہیں علمی و ادبی سرگرمیوں  
میں مصروف رکھا ہے۔

آپ تمام واقف ہیں کہ صلاح الدین نیر کے تاحال شعری مجموعے ”گلِ تازہ“  
”وزخوں کے گلاب“، ”صنم تراش“، ”شکن در شکن“، ”نوشہ کا سفر“، ”رشتوں کی ہبک“،  
”سفر جاری ہے“ اور ”یہ کیا رشتہ ہے“ شائع ہو چکے ہیں۔ اور حال ہی میں ایک اور  
شعری مجموعہ ”کیا کیا جائے“ شائع ہو چکا ہے۔ خود نوشت سوانح ”سلسلہ چولہا  
کا“، ”عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت“ اور ”عظمت فیاباں“ بھی اس سلسلہ  
کی کڑیاں ہیں۔ تلگو میں ”گلِ تازہ“ کی منتخب غزلوں کا مجموعہ ”نیر گیتالو“ کے نام سے

منظر عام پر آچکے ہیں۔

نیر بجائی ایک شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ایک ادیب کی حیثیت سے بھی اپنا ایک مقام بن چکے ہیں۔ خود نوشت سوانح ”سلسلہ پھولوں کا“ لکھ کر اپنی طرز حیات، اپنے کردار اور معاشرہ سے اپنے ربط کو رکھتے ہوئے اپنی واردات قلبی کو نذر قارئین کیا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اوراقِ گم گشتہ کو سمیٹ کر انہوں نے کتابی شکل دی ہے۔ ضروری واقعات، واردات اور حادثات کو ایک جمع کر کے یہاں انہوں نے اپنی شخصی سوانح ترتیب دی ہے وہیں ”قافلہ چلتا رہے گا“ میں اہل قلم اصحاب نے ان کی شخصیت کے پہلو پر تصنع و زور بناؤٹ سے پرے نہایت ایمان داری سے قلم اٹھایا ہے۔ اور اس طرح ان کی شخصیت نگاری، سیر و کردار، علمی داد بی پہلو کو آجا کر کیا ہے۔

پھولوں کی رہ گزر پر چلتے والا شاعر اپنے دامن میں رشتوں کی تہک لئے ہوئے ہے۔ پھولوں کا کھلنا ایک آغاز ہی نہیں ایک علامت بھی ہے۔ جو ”گلِ نازہ“ کا سر ہونہ منت ہے۔ انہیں پھولوں سے رشتہ ہے۔ زخموں سے الفت ہے۔ ”خوشبو کا سفر“ جو ماحول کو معطر کئے ہوئے ہے۔ رشتوں کی تہک جو ضبط و قید کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ”زخموں کے کتاب“ ”شکن در شکن“ سفر جاری ہے۔ صنم تراش کے خواب کی طرح پس یوں سمجھیے کہ قافلہ چلتا رہے گا“ کے مصداق بولتے ہوئے الفاظ کے ذریعہ، زندگی کے آثار چڑھاؤ وقت کا دھوپ چھاؤں میں انہوں نے چلتی پھرتی پر چھائیاں تراشی ہیں۔

مواد کی فراہمی، افادہ، مقامات، ماخذ کی سہولتیں انہیں حاصل ہیں۔



کیونکہ ان کے روابط و تعلقات کا دائرہ وسیع ہے۔

اپنی کتابوں کے ذریعہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا ہر اہل قلم کا ایک کارنامہ ہوتا ہے۔ اپنے خیالات کو ایک کتابی شکل میں محفوظ رکھنے کی جو سعی نیر بھائی نے کی ہے۔ وہ قابلِ مبارک باد ہے۔ ۵۵۔ ۱۹۹۳ء

جنابِ عالی! صلاح الدین نیر

ملک یونیورسٹی چاہتی ہے کہ اس تعلیمی سلسلے سے ایم۔ اے،  
(انڈین لٹریچر) شروع کیا جائے۔ اس چانس کو ملک یونیورسٹی  
نے ایم۔ اے، اردو کیلئے ایک بورڈ آف اسٹڈیز تشکیل دی ہے۔  
اس بورڈ کے رکن کی حیثیت سے آپ کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔

اردو کے دیگر اراکین میں عابد علی خاں مدیر سیاست، پروفیسر سیدہ جعفر،  
پروفیسر منشی تبسم شامل ہیں۔ بورڈ آف اسٹڈیز کی پہلی میٹنگ ۱۵ جولائی  
۱۹۸۹ء کو ۱۰ بجے صبح ملک یونیورسٹی دہلا بھون سیف آباد میں ہوگی۔

رجسٹرار ملکو

کجاتی ہے کہ آپ کسی حال اس میٹنگ میں شریک

ملکو یونیورسٹی۔ ۳۰ جون ۱۹۸۹ء

داکٹر حبیب ضیاء  
رہبر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

## خوشبو کا سفر

”خوشبو کا سفر“ کی رسم اجراء بہت شاندار پیمانے پر ہوئی۔ جلسے کے اختتام پر صلاح الدین نیر بڑے لوگوں کو خدا حافظ کہنے میں مصروف تھے۔ میں نے انہیں روک کر دھمکی دینے کے انداز میں کہا ”آپ کی کتاب پر تبصرہ لکھ رہی ہوں۔ یہ سننے ہی وہ تیز تیز قدم ڈالتے ہوئے اُس میز تک پہنچ گئے جہاں ”خوشبو کا سفر“ کے نسخے رکھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ایک کتاب پر میرا نام لکھا اور دستخط کر کے کتاب میسر کر دی۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے اس دور میں کتابیں مفت حاصل کرنے کا یہ انتہائی آسان اور آزمودہ نسخہ ہے۔ صرف ذرا سی ہمت اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

”خوشبو کا سفر“ صلاح الدین نیر کا پانچواں شعری مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ان کے کلام کے جو مجموعے چھپ کر مقبول عام ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔  
”گل تازہ“۔ ”زمخوئل کے کلاب“۔ ”ضمیمہ تراش“۔ ”تسکن در تسکن“۔  
”گل تازہ“ کی منتخب غزلوں کا منظوم تلگو ترجمہ ”نیر گیتا لو“ کے نام سے ۱۹۷۵ء میں چھپ چکا ہے۔ بہت کم شاعر اور ادیب ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیقات ادبی

دنیا میں مقبول ہو کر قدر کی لگا ہوں سے دکھی جاتی ہیں۔

کتاب کی ابتداء میں محترم عابد علی خاں صاحب ایڈیٹر "سیاست" نے ایک حساس شاعر کے عنوان سے بہت ہی خوبصورت انداز میں صلاح الدین نیئر کا تعارف لکھ دیا ہے۔ شاعری کے ضمن میں انہوں نے لکھا ہے کہ نیئر زود گوئی کے ساتھ شاعری کا معیار بھی برقرار رکھتے ہیں اور کسی لیبل کے بغیر بھی عصر حاضر کے ایک حساس شاعر ہیں۔

محترم عابد علی خاں صاحب کے تعارف کے بعد ڈاکٹر معنی تبسم پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کا عالمانہ پیش لفظ ہے۔ اس میں انہوں نے نیئر کی شاعری کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ ان کی غزل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔  
 "صلاح الدین نیئر کسی غزل صرف وارداتِ عشق کی ترجمانی نہیں ہے۔ انہوں نے حیاتِ انسانی کے گونا گوں مسائل کے بارے میں اپنے افکار اور محسوسات کو بھی عمدگی کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے دورِ حاضر میں اعلیٰ انسانی قدروں کی شکست و فنا کے مرتبے ہی نہیں بلکہ ان کو حیاتِ نو بخشنے کا غزم بھی ظاہر کیا ہے۔"

صلاح الدین نیئر مشاعروں کے انعقاد میں بڑے اہماک اور دلچسپی سے حصہ لے کر انہیں کامیاب بناتے ہیں۔ اگر کسی کو لازم و ملزوم کا مطلب سمجھنا ہو تو مشاعرے اور صلاح الدین نیئر کا ذکر ایک ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

مجموعے میں شامل غزلوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو پڑھنے والے کو فوراً متاثر کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دنیا میں مقبول ہو کر قدر کی لگا ہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتاب کی ابتداء میں محترم عابد علی خاں صاحب ایڈیٹر سیاست نے ایک حساس شاعر کے عنوان سے بہت ہی خوبصورت انداز میں صلاح الدین نیر کا تعارف پیش کر دیا ہے۔ شاعری کے ضمن میں انہوں نے لکھا ہے کہ نیر زود گوئی کے ساتھ شاعری کا معیار بھی برقرار رکھتے ہیں اور کسی لیبیل کے بغیر بھی عصر حاضر کے ایک حساس شاعر ہیں۔

محترم عابد علی خاں صاحب کے تعارف کے بعد ڈاکٹر معنی تبسم پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کا عالمانہ پیش لفظ ہے۔ اس میں انہوں نے نیر کی شاعری کا حقیقتاً جائزہ لیا ہے۔ ان کی غزل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ ”صلاح الدین نیر کسی غزل صرف وارداتِ عشق کی ترجمانی نہیں ہے۔

انہوں نے حیاتِ انسانی کے گونا گوں مسائل کے بارے میں اپنے افکار اور محسوسات کو بھی عمدگی کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے دورِ حاضر میں اعلیٰ انسانی قدروں کی شکست و فنا کے مرتبہ ہی نہیں بلکہ ان کو حیاتِ نو بخشنے کا غرم بھی ظاہر کیا ہے۔“

صلاح الدین نیر شاعروں کے انعقاد میں ٹیرے انہماک اور دلچسپی سے حصہ لے کر انہیں کامیاب بناتے ہیں۔ اگر کسی کو لازم و ملزوم کا مطلب سمجھنا ہو تو شاعرے اور صلاح الدین نیر کا ذکر ایک ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

مجموعے میں شامل غزلوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو پڑھنے والے کو فوراً متاثر کرتے ہیں۔ چننا اشعار ملاحظہ ہوں۔

مسند نشین ہوں آج تو حیرت ہے کس لئے  
قرش زگاہِ دوست بھی برسوں رہا ہوں میں

خدا سے اپنے کبھی میں نہ مانگتا آنکھیں  
تمہاری دید کو گر عمر بھر ترستا تھا

یہ کہہ کے گیا کوئی ، یادیدہ نم کل شب  
میں آؤں بلکہ نہ آؤں دروازہ کھلا رکھا

آپ کی بہکی ہوئی آنکھوں میں نفرت ہے کہ پیار  
جھوٹ سیج جو کبھی ہو آکر سرِ منبر کہنا

میں نے تبصرہ لکھنے میں جان بوجھ کر تاخیر کی۔ مجھے یقین تھا کہ اس پر کسی  
اکیڈمی سے ضرور ایوارڈ ملے گا۔ حال ہی میں اتر پردیش اُردو اکیڈمی نے اس  
کتاب پر گرامر ایوارڈ دیا ہے جس کے لئے میں ساری ادبی دنیا کی طرف سے  
صلاح الدین نیئر کو مبارکباد دیتی ہوں۔ ••

## ”پھر وہی پرچھائیاں“

”کل تازہ“ سے زخمی ہونے والے شاعر کا نام ہے ”صلاح الدین نیر“۔ جن کے تقریباً سبھی شعری مجموعوں اور ایک نثری مجموعے پر میں بھی اظہارِ خیال کر چکی ہوں۔

”پھر وہی پرچھائیاں“ کاغذی پیرہن کی شکل میں میرے سامنے ہے، نگارِ شاہ کی منوشتائیاں دنیائے ادب کو جگمگا رہی ہیں، یہ پرچھائیاں انہی پھولوں کی ہیں جو نامور ادیب و ممتاز شاعر کے گرد و پیش ”حصارِ حیات“ کی طرح ٹھہری ہوئی ہیں۔ بہ حیثیت شاعر کافی عرصہ سے انہیں پڑھنے اور سننے کا اتفاق ہوتا رہا ہے اور ان کا تعارف بھی بحیثیت شاعر ہی ہوا ہے لیکن کئی کتابوں کو مرتب کرنے اور خود اپنی کتابوں میں اپنا تعارف لکھنے کا اندازِ بلاشبہ دانشورانہ ہے۔ ان کی نثر کا شاعرانہ پن ثابت کرتا ہے کہ

زمین اور بھی آسماں اور بھی ہیں

یعنی کہ شاعر میں ہر طرح کی ادبی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں، جیسے کہ شدید موسمِ گرما میں کبھی کبھی بوندا باندی ہو جاتی ہے، ان کی تقریر و تحریر کے گہرے بادل جب قارئین و سامعین پر برسنے لگتے ہیں تو اس بھگے ماحول سے آدمی گریز نہیں کرتا بلکہ بڑے انہماک سے ”موسم“ کی طر متوجہ ہو جاتا ہے۔

مجھے ایک عرصے تک یہی معلوم تھا کہ صلاح الدین نیر صاحب ایک شاعر ہیں

لیکن مطالعہ کے شوق میں جب ذرا آگے بڑھی تو شعر و ادب کی راہوں میں ان کی شخصیت ”میر کا رواں“ کی طرح نظر آئی۔

انفرادی سفر نامے پڑھنے کو ملے۔ دیارِ نبیؐ اور خانہ کعبہ سے تعلق میں ہر ایک کی دلی کیفیت جاننا چاہتی ہوں شاید اس لئے بھی کہ اُس سرزمینِ پاک کے کسی ذرہ سے میری بھی تخلیق ہوئی!۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بھی فن دیا اپنی مرضی سے دیا اور اس کے بعد اس فن کا استعمال، بندے کے اختیار پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسے چاہے کرے۔ شعر و ادب کی دنیا میں تہلکہ مچے یا نہ مچے لیکن ان پر چھائیوں نے بہت سے لوگوں کو چونکا دیا ہے۔ اس میں صرف ایک ”پرچھائیں“ ایسی ہے جس سے میں بخوبی واقف ہوں اور اس ”پرچھائیں“ کا نام ہے — ”فاطمہ تاج“ —

بلاشبہ یہ پہلا موقع ہے جو نیر صاحب نے مجھ جیسی ناچیز ہستی کو ضبطِ تحریر میں لانے کا فن نمونہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے جو بہت مشکل کام تھا۔ انہوں نے میر تحریری احساسات کو پوری طرح خود اعتمادی میں بدلنے کی کامیابی

کوشش کی ہے۔ مجھ پر اپنی رائے لکھ کر اُس مقام کی نشاندہی کی ہے جہاں میں اُن کی رہنمائی اور قارئین کے تعاون اور اپنی ممکنہ کوششوں سے پہنچ سکتی ہوں۔ انہوں نے اپنے قلم سے ”دیارِ شعر و ادب“ کا ایک معتبر نام ”فاطمہ تاج“ لکھ کر اور بار بار کتاب کی ترمیم و ترتیب پر شکریہ ادا کر کے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اس قافلے میں شامل ہوں جس کے ”میر کا رواں“ نیر بھائی ہیں۔ انہوں نے مجھ پر لکھی گئی کتابوں کے پیش لفظ اور تبصروں کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”فاطمہ نے روالہ اور دوستی کے فرق

کو محسوس کرتے تھے کوئی نہ ہرست تو نہیں بنائی لیکن ان کی طرزِ حیات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کا ایک گوشہ ایسا بھی ہے جس میں کچھ لوگ انتہائی خلوص کے ساتھ رونا فرود ہیں۔ اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ میری تحریروں کا وہ جائزہ ہی نہیں لیتے بلکہ بہت خاموش طریقے پر مزاج کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ”اللہ نے ان میں ایک ایسی صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ چلتے پھرتے شعر کہتی ہیں۔ ایک ہی نشست میں ۱۰، ۱۵ منٹ کے اندر مضمون لکھ دیتی ہیں یہ میرا مشاہدہ ہے اسلئے یہ بات ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔“

اب اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی میرا جائزہ لے سکتا ہے نہ اس اعتماد سے قطعی رائے کا اظہار کر سکتا ہے ویسے بھی زیادہ تر میری تخلیقات کا بار وہی اٹھاتے رہے ہیں جب بھی میں نئی چیز لکھتی تو نیشنل بھائی کو ضرور سناتی ہوں، اس طرح ان کا اندازہ اعتماد کی منزل تک جا پہنچا۔ شعر و ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنانے کے لئے میں نے خاک تو نہیں چھانی مگر کچھ ”نقش قدم“ کا تعاقب کرتے ہوئے راہبر تک پہنچ گئی اور نیشنل بھائی نے پورے خلوص و احترام کے ساتھ میری رہبری کی، سچ پوچھا جائے تو میرا تہمتی سفر ”اب آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔“

”پھر وہی پرچھائیاں“ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ دیارِ شعر و ادب میں میرا نام ”معتبر“ ہے۔ خدا کرے کہ مجھے یقین آجائے۔ اب ان کی تحریروں کے خاص وہ حصے لکھنا چاہوں گی جو انہوں نے اپنے دوست احباب کی شخصیتوں پر لکھی ہیں۔

• رشتوں کی پاسداری میں رئیس اختر نے حد و ضدار انسان ہیں۔ وضع داری کی انتہا یہ بھی ہے کہ بہت سے خوشگوار لمحے ان کی پلکوں پر نورِ سحر بن کر چمک رہے ہیں۔



رئیس اختر کو میں نے روابط کے ہر مرحلہ پر ایک بہترین اور بالاعتماد دوست پایا ہے۔ رئیس اختر بھی حیدر آباد کے اُن مقبول شاعروں میں سے ایک ہیں جنہیں خدا نے اپنی خاص مہربانی سے ایک باوقار مقام عطا کیا ہے۔

• ڈاکٹر صادق تقویٰ میکر اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دلتوازش شخصیت کے گہرے نقوش آج بھی میرے دل پر اُسی طرح مُرسم ہیں جس طرح پہلی ملاقات کے موقع پر تھے۔ صادق نظام کالج کے اُن پُرکشش سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کر دانے والے ایک ایسے ہونہار طالب علم کی طرح مقبول ترین شخصیت بن گئے تھے جن سے دوستی کے لئے نظام کالج کا کیا ذکر، مشہر کے دیگر کالجس کے طلباء بھی متمنی رہتے تھے۔

• ناصر کرنولی بھی میکر اُن ہم خیال دوستوں میں سے ایک، ہیں جن سے گفتگو کرتے ہوئے میں تازگی محسوس کرتا ہوں۔ مدینہ ہوٹل میں ہماری ہینٹک تقریباً دس سال رہی۔ بڑے خوشگوار دن تھے وہ، اب نہ وہ نشستیں ہیں اور نہ وہ ماحول اور نہ وہ دن رات، زندگی ہے کہ مشین بنی ہوئی ہے۔ چاہے وہ موسم خزاں ہو کہ موسم بہار اچھے دوست ہمیشہ میکر ساتھ رہتے ہیں۔ ناصر کرنولی بھی میرے ساتھ رہتے ہیں۔ ناصر کرنولی میرے اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی کی پہلی خوشبو آج بھی میکر جسم و جاں کو مہکا رہی ہے۔

• جس کئی کئی مصطفیٰ کمال کے کردار کی بلندی کا جائزہ لینا مقصود ہو تو اس کے لئے ہر دہری ہو گا کہ پہلے وہ اُن کی اصول پسندی، شرافت، دیانتداری، بلے لٹ اور بے غرض روابط کا جائزہ لے مصطفیٰ کمال بھی میرے شریف النفس محب شناس اور دما شعاہ دوستوں میں سے ایک ہیں جن سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔

• نہیال سنگھ درماکانام ہندی، اردو کی ہر شائستہ اور پُر وقار محفل میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ معاشرے میں یوں تو قابلِ رشک و قابلِ تحسین بہت سے لوگ ہیں جائیں گے لیکن ایسے لوگ کم ملیں گے جن کے جینے کا مقصد ہی اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ ہو اور جن کے صبح، شام آس پاس کے لوگوں کی زندگی، ان کے علمی، ادبی و فلاحی کاموں کے لئے بادلِ صبا کے لہراتے ہوئے آچل کی طرح معطر ہوں۔

• گزشتہ ۲۵ سال کی رفاقت میں کبھی بھی، کہیں بھی، کسی وقت بھی میں نے ان کے کردار میں کسی قسم کا جھول نہیں پایا۔ منان منظور ایک سبک خرم نرم گفتار، اور باشعور شاعر ہونے کے علاوہ بے حد خلص انسان ہیں۔ وہی شخص معاشرہ میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جو اپنی غربتِ نفس کا تحفظ کرتا ہو۔ میں نے منان منظور کو ان تمام خصوصیات کے ساتھ اپنے غائبہ دل میں بٹھایا ہے۔

• مادرِ جامعہ عثمانیہ اپنے جن لائق فرزندوں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی اور جب مورخ جامعہ عثمانیہ کے عالمی شہرت یافتہ سپوتوں کی فہرست بنائے گا تو ڈاکٹر سہی نالو کی ریڈی کا نام بھی اس فہرست میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب جیسے اعلیٰ ظرف، وضع دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو بلند مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود انسانی کمزور رشتوں سے جوڑے ہوئے لوگوں سے بھی اپنا رشتہ رکھتے ہیں۔

• بعض شخصیتیں اس قدر پُرکشش اور متاثر کن ہوتی ہیں کہ وہ پہلی ملاقات ہی میں اپنے وجود کا احساس دلاتی ہوئی اپنی شائستہ مزاجی کا پتہ دیتی ہیں۔ (ایم۔ اے۔ روف)

یروین کمال سے آمرطو لو بڑے سلیقے سے لیا گیا ہے جو اس سے پہلے سیامت اخبار میں شائع ہو چکا تھا۔

مختلف تصانیف پر زور دار تبصرے بھی پڑھتے کو ملتے ہیں۔ خود اپنی کتابوں کے پیش لفظ افسانوی انداز میں لکھے گئے، ملاحظہ ہو۔ ”کل تازہ“ میں سرگزشتِ دل میں لکھتے ہیں: ”انسان کی زندگی میں غم ہی زیادہ ملتے ہیں، خوشیوں کی جھلک کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے۔“ ”حدیثِ دل“ (زخموں کے گلاب)۔ ”بکری ہوئی زندگی مشکل ہی سے سٹی ہے۔ حیاتِ انسانی فطرت کی روشنی اور دھندلوں سے عبارت ہے۔“

”خوشبو کا سفر“ اپنی پہچان کے لئے دوسروں کی شناخت بھی ضروری ہے۔

”شکں در شکں“ ”کل تازہ“ میری شاعری کا ایک خوبصورت آئینہ ہے جس کے اطراف میری شاعری گھومتی ہے۔

”رشتوں کی مہک“ ”مجھے فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھی پیار ہے۔“

”یہ کیسا رشتہ ہے“ ”یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو نہ صرف اپنی قربت کا احساس دلاتے ہیں بلکہ فاصلوں سے بھی روشناس کراتے ہیں“

”سلسلہ پھولوں کا“ ”زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ انسان اپنی شناخت کے لئے دوسروں کی پہچان کا بھی سہارا لیتا ہے۔“

”پھر وہی پرچھائیاں“ کے آخری صفحہ پر ”اظہارِ تشکر“ میں اس ناپیتر کا بھی نام ہے جو میرے لئے باعثِ فخر و مسرت ہی نہیں بلکہ اعزاز بھی ہے۔ ••

”گلِ تازہ“ مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز ہے۔ یہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ اس نام کے ذکر ہی سے میری روح جھوم جھوم اٹھتی ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں میری کتنی ہی جوانِ راتوں کا سوز و گداز، کتنی ہی بھگی راتوں اور جلتے ہوئے دنوں کا شباب، سُنگتی ہوئی آنکھوں کی نمی اور تر پتے ہوئے دل کا درد شامل ہے۔ کئی ہفتی ہوئی راتوں کا قہار، کئی دنوں کی بے تابیاں، کئی ناتمام، مبہم، خاموش، آرزوئیں زندگی کی کئی مسرتیں، کئی ادا سیاں اور تلخیاں شامل ہیں۔

”گلِ تازہ“ کی ایک ایک پتھر پر میری بھگی ہوئی پلکوں کی نمی اس کے ایک ایک ورق پر میرے دل کا خون شامل ہے۔ ”گلِ تازہ“ عطیہ ہے وقت کے ایک جانفروہ اور کیفِ لمحہ کا۔

”گلِ تازہ“ میرے نعمات کا حاصل ہے۔ ”گلِ تازہ“

میری زندگی کا دوسرا نام ہے۔ •

» گلِ تازہ «



ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

”سفر جاری ہے“

(رسم اجرا تقریب کے موقع پر)

○

افقِ شہر یہ اک چاند نیلا نکلا ہے  
ہم مبارک کہ آجالوں کا ”سفر جاری ہے“  
زلفِ اردو کے سنور نے کا ہے امکانِ بہت  
چند دیو نے ابھی ہیں انہیں زلفوں کے اسیر  
ان کے دمِ خم سے ہے اردو پہ نکھار  
ان کی سانسوں سے ہے اردو پہ بہار  
ان کے تیور سے ہے اردو کا وقار  
قابلِ رشک ہے ان کی خدمت !  
لائقِ داد ہے ان کی ہمت !  
کہہ دیا نیرِ تایاں نے یہ ثابت بے شک  
شہر میں آج بھی ہے ذوقِ سلیم !  
حیدر آباد میں دل والے ابھی باقی ہیں !  
ادب و شعر کے متوالے ابھی باقی ہیں !

## اردو کا پیغام تیرے نام

○

حیاتِ حُسنِ عمل کا ہی محبت نام ہے  
 خامہ نشہ ترا ہر لفظ اک پیغام ہے  
 دکھتی ہے جب بھی تجھ کو تیری چشمِ مقبر  
 اور لقیں ہوتا ہے مجھ کو تو ہے سچا راہبر  
 فکر رہتی ہے تجھے زلفِ پریشاں سے میری  
 کاوشِ ترنیں تیری ہے مری صورت گری  
 میری صورت میری غربت کی کرے ہے فکر تو  
 کا ش یہ خوشبو اڑا لے جائے مجھ کو کوہِ بکو  
 آئینہ ایسا بنا صورتِ نظر آئے مری  
 کرے رخِ اس طرح، تجھ سے سیکھ لے خبیہ گری  
 میرا پہرہ، میرا قلندر، میری بلندی میرا سر  
 کس طرح اس کو بچا سکتے ہیں یہ تدبیر کر

تہ مجاہد ہے تو مجھ کو خوف کیا نہ تجید کا  
 صورتِ خورشید ہوگا رخِ میری تصویر کا  
 میرا یہ پیغام بے خوف و خطر سب کو سنا  
 چاہئے دالوں کا میرے جب بھی ہوگا سامنا  
 مصلحت ہوتی نہیں اظہار کرنے کے لئے  
 شمعِ محفل کرتے نہیں دیدار کرنے کے لئے  
 کچھ نہ کہنے سے تو بہتر ہے کہ سمجھ کہتے رہیں  
 اور ٹھہر جانے سے اچھا ہے یہی چلتے رہیں  
 دشتِ وحشت نے اڑائیں کتنی میری دھجیاں  
 جن میں اس طرح کہ بن جائیں ہزاروں بستیاں  
 یوں محبت سے پکارو سدا اٹھانے کے لئے  
 بات کچھ ایسی سناؤ مسکراتے کے لئے  
 کو خشنِ جہدِ مسلسل سے ہے منزل کا ظہور  
 جس کا سورج میرے ماتھے سے طلوع ہوگا ضرور

ایک دن نایاب ہوگی میرے گلشن کی بہار  
 قابلے سب مل کے اٹھیں ختم ہوگا غلغلا

فاطمہ تاج

## ”سلسلہ پھولوں کا“

(رحیم ابراہیم القریب کے موقع پر)



پھر گلشنِ ادب میں پھولوں کے سلسلے، میں  
نوشبو کے اس سفر میں کچھ لوگ چل رہے ہیں  
ہر گل یہاں ہے تازہ، موسم بہار کا ہے  
جو دل میں تھے نہاں وہ رشتے مہک رہے ہیں  
کیا کیا کتابِ دل کے صفحوں میں روشنی ہے  
ہر باب ہے درخشاں، تاروں کے قافلے ہیں  
روشن ہے نقطہ نقطہ، ہر لفظ ہے منور  
تاریکیوں کے دامنِ کرونوں سے پھر سبھی میں  
شعروادب کی رہ میں اب بھی سفر ہے جاری  
رشتے ہیں جانے کیسے سب ساتھ چل پڑے ہیں  
نیر ہے نام جس کا تابانیاں ہیں! اس کی  
تحریر، خوشال ہے، جملے چمک رہے ہیں



ہم تاج سکر رہے ہیں ہر لمحہ یہ دعائیں  
 لمبی ہو عسیر ان کی جو ہریاں ہوئے ہیں  
 سب ختم ہو گئے ہیں حائل جو مرحلے ، میں  
 ہر اک قدم پہ اب تو پھولوں کے سلسلے ہیں  
 ہر لفظ لفظ نیر ، ہر نقطہ ہو گا صوریج  
 تابزدہ سلسلوں کو یوں لے کے ہم چلے ہیں

صاحبانِ فکر و نظریہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک تخلیق کار کو کیسے  
 کیسے انسانی رشتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں  
 جو ایک انسان کو دوسرے انسان کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ یہ انسانی  
 رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو نہ صرف اپنی قربت کا احساس دلاتے  
 ہیں بلکہ فاصلوں سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے  
 ہیں جو ایک انسان کو زندگی کی بلندیوں اور پستیوں سے واقف کراتے ہیں۔  
 اگر انسان کسی نہ کسی رشتے سے وابستہ نہ ہو تو زندگی کا کوئی مقصد  
 ہی نہ ہو گا۔ بعض رشتے اگر چہ بے نام ہوتے ہیں لیکن ان کا ہر لمحہ  
 اپنی پہچان کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ •

(یہ کیسا رشتہ ہے)



## ”قافلہ چلتا رہے گا“

(رسم اجراء کے موقع پر)



”گل تازہ“ کا تو سب لوگ خبر رکھتے ہیں  
ہم بھی کچھ پھول یہاں پیش نظر رکھتے ہیں

اب بھی باقی ہے یہاں سلسلہ چولوں کا خیم  
ہم بھی ماحول میں خوشبو کا سفر رکھتے ہیں

اب بھی تازہ ہیں اتری نکل میں زخموں کے گلاب  
اب بھی اشعار بہارِ دل کا آثر رکھتے ہیں

کیسا رشتہ ہے کہ ”شوقِ لگی تھک“ سے اب بھی  
ہم سے گردیدہ غم دیدہ تر رہ رکھتے ہیں

”قافلہ چلتا رہے گا“ ہے یقین ہم کو بھی  
ہے سفر جاری کہ ہم عدم سفر رکھتے ہیں

ان کو کہنا ہی نہیں نسبتِ تاباں کے سوا  
اپنے دامن میں ہمیشہ جو سحر رکھتے ہیں

فاطمہ تاج

## پھر وہی پر چھائیاں

(درسم اجراء القریب کے موقع پر)



بھرنگار انگلیاں نظر آئیں ..... دل کی سب ترچاں نظر آئیں  
 'شکل تازہ' کا یہ کرشمہ ہے ..... سب کو رعنائیاں نظر آئیں  
 کھل گئے جب گلاب زخموں کے ..... کتنی شادابیاں نظر آئیں  
 سفر آساں نہیں خوشبو کا ..... منزلیں امتحاں نظر آئیں  
 اب بھی باقی مہک ہے رشتوں کی ..... دل میں گہرائیاں نظر آئیں  
 کیا بتائیں "یہ کیسا رشتہ ہے" ..... ہم کو غم خواریاں نظر آئیں  
 اس طرح کچھ قسم تراشے ہیں ..... صورتیں جادواں نظر آئیں  
 تھا شکن در شکن، وہ آئینہ ..... منفرد ہستیاں نظر آئیں  
 قافلہ چل رہا ہے اُردو کا ..... ظلمتیں، خوفناک نظر آئیں  
 جن سے یہ سلسلہ ہے پھولوں کا ..... پھر وہ پر چھائیاں نظر آئیں  
 اب بھی جاری سفر ہے نیا ..... دیکھو تابانیاں نظر آئیں

تاج بیغی سخن سلامت ہے

فرز کی سب خوبیاں نظر آئیں

## ”کیا کیا جائے“

(رسم اجراءِ قرب کے وقت پر)



اک تسلسل ہے بس خیالوں کا : زندگی نام — ہے کتابوں کا  
 شب روشن گزر گئی لیکن : ہے سفر جاری پھر بھی خوابوں کا  
 ”خوشبوؤں کا سفر“ بھی ہوتا ہے : زخم ہیں راستہ گلابوں کا  
 اب بھی آنکھوں میں چھائی رہتی ہیں : ”کیسا رشتہ ہے“ ان گھاؤں کا  
 ہے ”شکں در شکں“ ”بکلی تازہ“ : ”فاطمہ چل رہا ہے“ یادوں کا  
 ”وہی پر چھائیاں“ تخیل کی : وہی موسم ہے ٹھنڈی چھائوں کا  
 ”رستے ہلکے ہوئے“ تو اب بھی ہیں : دل مگر منتظر — وفاؤں کا  
 دل کا موسم عجیب موسم ہے : سلسلہ ہے گلوں کا خاروں کا  
 جانے کتنے صدمہ تراشے تھے : زخم دیکھ تو کوئی ہاتھوں کا  
 چاند مارے ہیں آج محفل میں : حسن تو دیکھئے نظاروں کا  
 نام ”نیر“ ہے کیا کیا جائے : ایک مرکز ہے بس اُجالوں کا

تاج تم نے کبھی نہیں دیکھا

یہ جو منتظر ہے چاند ماروں کا

# صلاح الدین نیر خطوط کے آئینہ میں

نیر صاحب !

خط معہ مضمون پہنچا۔ آپ کی نوازش کا شکریہ۔ یہ مضمون  
 چونکہ میری تحریف میں ہے اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے  
 باب میں رائے کا اظہار کروں۔ بہر حال اس قدر ضرور کہوں گا کہ  
 اس مضمون سے صاحب مضمون کے اس نکتہ کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں  
 مجھ پرچہ بدال کے ساتھ ہے۔ حالانکہ مجھے اپنے ناتمام و ناقص ہونے  
 کا اعتراف ہے لیکن اسے کیا کروں کہ مجھ سے غبت کرنے والوں کو  
 مسرت لقاؤں کا احساس نہیں ہوتا۔

نیاز مند

نذیر احمد دیوڑ۔ پاکستان

جوشی (شیخ آبادی)

۲۷ مارچ ۱۹۶۱ء

عزیزِ محترم . تسلیم !

خط ملا تھا۔ میری رائے تو یہی ہے کہ مجموعہ (زخموں کے گلاب) بغیر کسی تعارف کے شائع کرائیے۔ آپ کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے وہ سب سے بڑا تعارف ہے اس کے علاوہ اب تعارف وغیرہ کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ہی کہا تھا لیکن آپ خود غور کر لیجئے۔ اگر یہ اب بھی ناگزیر ہے تو مجھے عطف سے بھیج دیجئے۔

(پروفیسر) احتشام حسین

الہ آباد

صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی

۳۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

• بے حد مصروف رہا۔ شرمندہ ہوں۔ تعارف آپ کو ایک ہفتہ کے اندر

مل جائے گا۔ امید کہ آپ اچھے ہوں گے۔ احقر احتشام حسین

۳۱ جنوری ۱۹۷۲ء

شعبہ اردو الہ آباد

• شرمندہ ہوں کہ بہت دیر لگی۔ بہت سی مصروفیتیں نکل آئی ہیں۔

اور صحت بھی بہت اچھی نہیں ہے۔ مختصر سا پیش لفظ بھیج رہا ہوں۔

الہ آباد یونیورسٹی۔ ۷ فروری ۱۹۷۲ء (پروفیسر) احتشام حسین

• خط ملا۔ اس سے پہلے کتاب (زخموں کے گلاب) بھی مل گئی۔ اخباروں

میں اس کے اجراء کی خبریں بھی دیکھی تھیں۔ بے حد خوشی ہوئی۔ رسالہ کو

تبصرے کیلئے بھیجے اور چند مخصوص حضرات کو عین کا مطالعہ کرنا مفید ہو سکتا

ہے۔ امید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے۔ (پروفیسر) احتشام حسین۔

۲۲ مئی ۱۹۷۲ء

الہ آباد یونیورسٹی۔

مکرمی نیر صاحب۔ تسلیم!

ڈاکٹر مجاور حسین رضوی ۲۲ اکتوبر کی دوپہر کو گندگا  
 کاویزی ایکسپریس اور گوگندہ سے یہاں آئیں گے۔ انہوں نے خط  
 لکھا ہے کہ ۲۸ اکتوبر کو وہ اردو مجلس میں ”دلی والے سے انٹرویو“  
 کے عنوان سے میرامن پر ایک تنقیدی انشائیہ پڑھیں گے۔ صحیح تعین  
 ان کے آنے کے بعد ہوگا لیکن آپ پر دو گرام کو طے ہی سمجھے امید  
 ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔  
 حیدر آباد یونیورسٹی  
 ۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء

گیاں چند

برادر سخن گستر صاحب!

اللہ آپ کو زیادہ ناز خیال شاعر بنائے۔ رات ریڈیو پر آپ  
 کی شاہکار غزل سن کر بہت محظوظ بھی ہوا اور مستفید بھی۔ آپ پہلے  
 نیر تو تھے ہی اب شاہکار نیر درخشاں بنتے جا رہے ہیں، اللہ کرے  
 حسن سخن اور زیادہ۔

غیر طلب

رشید

(ڈاکٹر غلام دستگیر رشید)

عثمانیہ یونیورسٹی

۷ فروری ۱۹۸۰ء

## خواب صلاح الدین نیر!

آپ کی کتاب ”رشتوں کی مہک“ کے بارے میں پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مختلف دانشوروں کے تبصرے پڑھ کر بھی مست ہوئی۔

میں آپ کے اس بہترین کام کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ آپ کو مبارکباد بھی دیتا ہوں۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی شعراء ملک کی سلامتی، حب الوطنی، رواداری اور قومی یکجہتی کے جذبے کو اپنی تخلیقات کے ذریعہ فروغ دے رہے ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

حیدر آباد

(پیرسٹر) اکبر علی خاں

۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء

سابقہ گورنر اتم پردیش

برادرِ م (صلاح الدین نیر)

اتوار کو ٹھیک دہ پڑھ بیچے ہمارے دفتر سے شعراء کی پارٹی

کریم نگر روانہ ہو رہی ہے۔ براہ کرم آپ فیض الحسن خیال، شارب اور خیرات ندیم دفتر میں تشریف لائیے۔ شاہد صاحب (شاہد صدیقی) آپ کے منتظر رہیں گے۔

جگر

(محبوب حسین جگر)

”سیاست“

۶۱۹۶۵ء



جناب صلاح الدین نیر!

آپ کی کتاب ”رشتوں کی مہک“ کے بارے میں پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مختلف دانشوروں کے تبصرے پڑھ کر بھی مست ہوئی۔ میں آپ کے اس بہترین کام کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ آپ کو مبارکباد بھی دیتا ہوں۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی شعراء ملک کی سلامتی، حب الوطنی، رواداری اور قومی یکجہتی کے جذبے کو اپنی تخلیقات کے ذریعہ فروغ دے رہے ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

حیدر آباد

(پیرسٹر) اکبر علی خاں

۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء

سابقہ گورنر اتر پردیش

برادرِ م (صلاح الدین نیر)

اتوار کو ٹھیک دپڑھ بیچے ہمارے دفتر سے شعراء کی پارٹی کریم نگر روانہ ہو رہی ہے۔ براہ کرم آپ فیض الحسن خیال، شارب اور خیرات ندیم دفتر پر تشریف لائیے۔ شاہد صاحب (شاہد صدیقی) آپ کے منتظر رہیں گے۔

جگر

(محبوب حسین جگر)

”سیاست“

۱۹۶۵ء

کے سلسلے میں کر رہی ہیں اس لئے جو اربابِ سخن رضا کا رانہ طور پر اس  
محفلِ شعر میں شرکت فرمانے آمادہ ہوں انہیں کو زحمت دیجئے۔ البتہ  
البتہ گیٹ پاس کی ذمہ داری میری ہے۔ اگر آپ مجھے مطلع فرما سکیں کہ  
کننے گیٹ پاس چاہیں اور شاعروں کے نام کی فہرست بھی دے سکیں  
تو باعثِ کرم ہوگا۔ بالفعل میرے ذہن میں یہ نام ہیں۔ فیض الحسن خیال  
رئیس اختر، ادھر کے بعض شاعروں کو جن میں علامہ حیرت، سلیمان  
ارباب، سرور دُندا وغیرہ شامل ہیں، میں علیحدہ اطلاع دے رہا ہوں۔  
میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے طور پر چند منتخب شاعروں کو میری جانب  
سے مدعو کر دیجئے۔ نوجوان شاعروں کو میں خاص طور پر دعوت دینا  
چاہتا ہوں لیکن پروگرام زیادہ طویل نہیں ہے۔ اسلئے فہرست بھی مختصر  
ہی رہے تو اچھا ہے۔ میں آپ سے خود ملنے کی بھی کوشش کروں گا۔  
آج کی رات یا کل۔ مدینہ ہوٹل میں، مغرب کے بعد۔

دنیا ہا و دیالیہ کالج۔ ٹائٹس گراؤنڈ نیاز مند  
۵ فروری ۱۹۶۳ء اختہ حسن

مکرمی نیر صاحب!

کچھ عرصہ پہلے حمید آباد کا مشاعرہ دورِ درشن پر دکھایا گیا  
تھا اور آپ کے کلام سے ہم سب لطف اندوز ہوئے تھے۔ فوراً  
اس کے بعد ڈاک میں ”خوشیو کا سفر“ یا کر دلی مسرت ہوئی۔ میں

بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور اس نادر تحفہ سے نوازا۔ حیدر آباد میں ہمیشہ متمنی رہتا تھا کلام نیر سنی کے لئے۔  
مجموعہ کلام پاکر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تکمیل تمت ہوئی۔ نیازمند

منظور عالم  
وائس چانسلر جموں و کشمیر یونیورسٹی

سرینگر  
۲۷ اگست ۱۹۸۲ء

عزیزم نیر صاحب! السلام علیکم!

”رشتوں کی تہک“ کا شکریہ۔ اس سے پہلے بھی آپ نے اپنے ایک مجموعہ کلام کا تحفہ دیا تھا جس کے بہت سے اشعار مجھے بہت پسند آئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نئے مجموعہ میں بھی مجھے بہت سے اشعار اور پسند آئیں گے۔ یہاں کی مصروفیت کی وجہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔

مجھے یقین ہے کہ ”سیاست“ (اخبار سیاست) سے آپ کا ویرجی تعلق اب بھی باقی ہے۔ بھائی عابد اور بھائی جگر گویری طرف سے سلام۔  
مخلص

سید ہاشم علی اختر  
(وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی  
۷ مارچ ۱۹۸۷ء

• آپ کا مجموعہ کلام ”سفر جاری ہے“۔ ملا جس کے لئے میں آپ کا

شکر گزار ہوں۔ کچھ دن پہلے آپ نے ایک بہت ہی خوبصورت خط لکھا ہے، جس کا جواب میں، اردو میں دینا چاہتا تھا جس کو میں نے علیحدہ رکھنا تھا لیکن اتنا وقت نہیں ملا کہ میں آپ کو جوابی خط اسٹینو کو ڈکٹیٹ کر رہا ہوں۔ آپ کی کتاب کو میں نے علیحدہ رکھ چھوڑا ہے۔ میں جب بھی وقت ملے گا پڑھوں گا اپنے سہولت کے نام میں تاکہ میں لطف اندوز ہوتے ہوئے آپ کی شاعری پڑھوں۔ اسلئے کہ کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ میں اکتوبر ۱۹۸۹ء میں حیدر آباد آ رہا ہوں وہاں اطمینان سے گفتگو رہے گی۔

سید ہاشم علی  
(وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

علی گڑھ  
۱۲/۲/۱۹۸۹ء

پیارے نیر!

یہہ لو پھر وعدہ خلافتی کا مرکب ہو رہا ہوں۔ لگتا ہے یہ کچھ عادتِ ثنائی سی ہوتی جا رہی ہے۔ بہار کی صبح بیگم ملی جا رہا ہوں وہاں سے ۲۲ کو رام گنڈم ۲۱ کو ۲۵ کو ۲۶ کو ناگپورم جا کر ۲۷ کو حیدر آباد آؤں گا۔

اردو مجلس کے اجلاس کی صدارت سونپی تھی۔ گناہ کا کفارہ ہی ادا کرنا ہو تو کوئی اور صورت نکالی جاسکتی ہے۔ تمہارا اپنا۔ (ڈاکٹر) راج بہادر گڑھ  
۲۲ اگست ۱۹۸۹ء  
سوراج نگر۔

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ ایک سطر لکھا تھا لیکن دودھاری  
 سطر تھی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ادھر بے حد مصروف رہا ہوں۔  
 بہت دورے کرنے پڑے ہیں۔ ٹریڈ یونین کی سرگرمیاں وہی ہیں  
 پھر کتابیں تبصرے کے لئے تین چار میسر پاس ہیں۔ جس نے پہلے  
 کتاب دی اس پر تبصرہ پہلے ہو۔ اب تک دو تبصرے کر چکا ہوں  
 (حیات کے لئے) اس کے بعد رحمت امروہی کے مجموعہ کا نمبر ہے۔  
 پھر "خوشبو کا سفر" اور اس کے بعد غالب کے خطوط —  
 آجکل پروٹو کال اور کیو کا زمانہ ہے۔ اُمید کہ آپ ناراض نہ  
 ہوں گے۔

آپ کا اپنا  
 اچھے بھون۔ کوئلہ مارگ۔ نئی دہلی راج ہسادر گور

۸ جولائی ۱۹۸۴ء

محبتِ مکرم۔ تسلیم!

آپ کو یاد ہو گا کہ گزشتہ سال ایم۔ فل کی ایک طالبہ  
 کو ان کے تحقیقی مقالہ کے لئے عظمت عبدالقیوم کی حیات اور  
 شاعری کا موضوع دیا گیا تھا۔ بعد کو انہیں اسٹیٹ آرکائیوز میں  
 ملازمت مل گئی اور ان کا داخلہ کالعدم قرار پایا۔

اس سال قمر النساء نامی ایک طالبہ کو یہی موضوع دیا ہے  
 انہوں نے ایم۔ اے میں سب سے زیادہ نشانات حاصل کئے ہیں۔

داخلہ کے لئے انٹرویو غالباً ۲۰ جنوری کو ہو گا۔ اس سے قبل ضروری ہے کہ شہر النساء ایک بار عظمت عبدالقیوم صاحب سے مل لیں۔ اور ان کی حیات اور شاعری کے بارے میں دو ایک صفحات کا مواد اُن سے حاصل کر لیں۔ براہ کرم ان دونوں کی ملاقات کا انتظام فرمادیجئے ممنون ہوں گا۔

صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ  
۱۱ جنوری ۱۹۸۲ء  
خاکسار  
رپرونیس، غلام عمر خاں

ڈیر نیر صاحب!

یاد فرمائی کے لئے شکریہ گزار ہوں۔ ”رشتوں کی ہبک“ کی ایک کاپی ملی۔ اس کے لئے ممنون ہوں۔ آپ کی شاعری عوام کے دھڑکنوں کی ترجمان ہے۔ حب الوطنی کے جذبے سے ہٹ کر عالمی سلامتی کا پیغام بھی ہے۔

”صنم تراش“ کے لئے بھی ممنون ہوں۔ آپ ایک مشہور اور بھرپور شاعر ہیں۔ مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے۔  
میں گزشتہ ۳ سال سے گورنمنٹ کے کسی بھی کوئی سٹیشن میں مدعو نہیں کیا جا رہا ہوں۔ موجودہ چیف منسٹر این۔ ٹی۔ رامارائو کا یہ خیال ہے کہ میں ان کے خلاف ہوں۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) میں نہ تو کسی کا مخالف ہوں نہ ہی میرے پاس کسی قسم کی politics

ہے۔ میں کسی بھی پولیٹیکل پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا۔ تلگو کے نام پر عوام کا استحصال کیا جا رہا ہے اور غلط رہبری کی جا رہی ہے۔ اس کے ذمہ دار کون ہیں۔ ۹ میں گزشتہ ۳ سال سے بلاک لسٹ میں ہوں۔

حیدر گوڑہ۔ (حیدر آباد)  
ڈاکٹر داسر تھی  
۱۳ مارچ ۱۹۸۷ء

نیر صاحب !

۳۷، ۳۸ شعر جو بھی پہلی نظر میں پسند آئے بھجوا رہا ہوں  
آپ ان میں سے حسب ضرورت اچھے شعروں کا انتخاب کر لیجے  
تصویر اور حالات بھی بھجوا رہا ہوں۔ یہ دونوں چیزیں واپس  
کر دیجے۔ حالات میں جو ضروری حصے ہوں وہ الگ سے نکال  
لیجے اور جو حالات چھپ چکے ہیں اور آپ کے پاس ان سے جو دلچسپی  
بیچلر کو آرٹس

آپ کا مخلص

اریب

(سیلمان اریب)

بیچلر کو آرٹس

مختم جاہی مارکٹ

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء

آپ کی غزلیں ملیں۔ ”صبا“ کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں۔  
صبا میں چھپنے کے لئے نہ نئے شہر اور نہ پرانے شہر کی قید ہے۔

نہ حیدر آباد اور شمالی پنجند کی اور نہ ترقی پسند و غیر ترقی پسند کی۔  
 قید صرف یہ ہے کہ چیز اچھی ہو اور پسند آئے۔ آپ کی غزلوں میں  
 سے کوئی ایک غزل اگسٹ، ستمبر کے پرچے میں جائے گی۔ جواب  
 میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔  
 سیماں الہیہ  
 مدیر ”صبا“  
 بمیلر کوارٹر۔ منظم جاہی مارکٹ  
 ۲۲ اگست ۱۹۶۶ء

غزنیہ میرا

میں تو آپ کی کتاب ملنے سے پہلے ہی آپ کی شاعرانہ خوبصورتی  
 کا قائل تھا، کیونکہ میں بھی کبھی شاعر تھا اور شاعرانہ خوبصورتی  
 چنانچہ دہلی سے حال میں ۱۹۶۶ء کے منتخب شعری ادب کے نام سے  
 جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس میں آپ کی ایک نظم شائع کی گئی ہے۔  
 حیدر آباد میں آپ حضرات کے خلوص کی خوشبو ابھی تک سانسوں  
 سے پھوٹ پھوٹ رہی ہے۔  
 دہلی۔ ۸ اگست ۱۹۶۶ء

محبت مکرم! تسلیم۔

آپ کے کئی شققت نامے میرے نام آئے اور دینی فرحت کا باعث  
 ہوئے افسوس کہ اپنے بہت سے دوستوں کی طرح میں آپ سے بھی کوتاہ  
 قلمی کی بنا پر نہایت شرمسار ہوں۔  
 آپ کا مخلص اور نیاز مند  
 ترقی اور برادری۔ کراچی۔ ۱۸ اگست ۱۹۶۶ء  
 شان الحق حقی



جی۔ خوش رہو!

مجموعہ کلام رشتوں کی مہک“ ملا۔ پڑاپیارا نام ہے۔ آپ کے  
غلوں جیسا پیارا۔ ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ دنیسا ہی لطف ملا  
جیسا آپ کے چند دوسرے مجموعہ ہائے کلام کو پڑھ کر ملتا رہا تھا۔  
پٹنہ - ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء رضا نقوی دہلی

مکرمی نیر صاحب! آداب دنیا

عارف میاں (شمس الدین عارف) کے لئے میں نے جو کچھ  
کیا وہ میرا فرض تھا۔ عارف میاں کی تعریفوں پر نہ جلیے۔ وہ کچھ  
زیادہ ہی نیک ہیں۔

میں ۷ مارچ کو آ رہا ہوں۔ میرا قیام منغی (منغی بسم) کے یہاں  
ہو گا کہ میرے ان کا معاملہ بہت پرانا ہے۔ نجمہ (بیگم شہریار) آپ کو  
سلام کہتی ہیں۔ عارف میاں کے قیام (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہاسٹل)  
میں آسانی فراہم کرنے کا اصل سہرا میرے شاگرد انور احمد خان کے  
سر جاتا ہے۔ شکریے کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ ہے۔

نیا زمند

شہریار

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علی گڑھ

۲۱ جنوری ۱۹۸۱ء

• میں قطر (دو قطر) سے لوٹنے کے فوراً بعد خط لکھنا چاہتا تھا لیکن پیچھے آجائے اور بیوی کی طبیعت خراب ہوتے کی وجہ سے نہیں لکھ سکا۔

عارف (شمس الدین عارف) قطر میں خود مجھ کو تلاش کرتے ہوئے آگے اور مستقل میرے ساتھ رہے۔ میرا ایک پیسہ بھی خرچ ہونے نہیں دیا۔ میری بیوی بچوں اور میرے لئے نہ جانے کتنی قیمتی تحفے خرید لائے۔ آپ کے بیٹے کی سعادت مندی دیکھ کر مجھے آپ پر رشک آیا۔ میں ان کی اس محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ آپ ان کا پتہ مجھے ضرور بھیج دیں تاکہ ان کو خط لکھ سکوں۔ ان دنوں بمبئی میں ہوں، وسط اپریل تک واپس علی گڑھ پہنچ جاؤں گا۔  
بمبئی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء شہر یار

محبتی تیر صاحب! سلام و رحمتہ۔

آپ کا تازہ مجموعہ 'نوشہ کاسفر' کل ہی ڈاک سے ملا۔ اس ادبی سوغات کے لئے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ جس خلوص کیساتھ شعر و ادب کی خدمت ایک طویل زمانے سے کر رہے ہیں اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور دعائیں نکلتی ہیں۔

آپ کی شاعری اب اس منزل پر آگئی ہے جہاں کسی تعریف یا تعارف کی احتیاج باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ (پروفیسر) نثار احمد فاروقی  
جامعہ نگر۔ دہلی ۱۲ جون ۱۹۸۷ء

عزیزم تیرے لئے،

دعائیں۔ ترقی درجات!

آپ کا مجموعہ کلام میرے ساتھ بس میں شریکِ سفر رہا۔ آپ کی کتاب ”سفر جاری ہے“ طاقت اور توانائی عطا کرتی رہی۔ خدا تمہیں نظرِ بزرگ سے بچائے۔

اس خط لکھنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ عزیزم آپ کی شعری خدمات اور دیگر تہذیبی خدمات کا یہ صورتِ مقالہ کیوں نہ احاطہ کیا جائے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ پر کس طالبِ علم نے یا آپ کے کسی دوست نے سام کیا ہے۔ آپ اس بارے میں مجھے لکھیں میں نے اس ماہ ریسرچ کے لئے چند طلباء اور طالبات کو داخلہ دیا ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ کوئی ہونہار طالبِ علم آپ کی شعری خدمات کا تفصیل سے جائزہ لے۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ اس معاملہ میں آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔ نیز میرا یہ بھی خیال ہے کہ اس کام کے نگران میرے رفیقِ کار عزیزم ڈاکٹر رافی قریشی صاحب ہوں۔ وہ خود شاعری میں اور آپ سے خوب واقف بھی ہیں۔

(ڈاکٹر) رزاق فاروقی

صدر شعبہ اُردو گلبرگ یونیورسٹی

گلبرگ یونیورسٹی

۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء

عزیز میر!

آپ کو خط لکھتا ہوں تو محترم بھائی ابو ظفر عبدالواحد  
یاد آتے جب وہ آپ کو اپنا شاگرد کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔  
(ڈاکٹر) رزاق فاروق شعبہ اردو گلبرگ

۳۰/۸/۱۹۸۳ء

میں ابھی ابھی کلکتہ اور پٹنہ کے سفر سے واپس ہوا۔ برادرِ امراہی قریشی  
نے آپ کا تحفہ شتوں کی ہبک، عنایت کیا۔ تھکن دور ہوئی۔ دعا گو ہیں۔  
استاذی پروفیسر ابو ظفر صاحب نے خوب کھل کر رائے دی تھی۔  
آپ نے ان کی تحریروں کو شائع کر کے اچھا کیا۔

عابد بھائی (عابد علی خاں صاحب سیاست) نے توصیف دلی سے  
آپ کی خدمات کے بارے میں سب کچھ لکھ دیا جو ان کا وظیفہ ہے۔  
(ڈاکٹر) رزاق فاروقی شعبہ اردو گلبرگ یونیورسٹی

۳۰ فروری ۱۹۸۴ء

برادرِ صلاح الدین میر!

جدید شاعری کے ابتدائی دور میں نظموں کے مجموعے کافی تعداد میں  
شائع ہوئے ہیں۔ اب ادھر ایک دو سال ہوئے غزلوں کے چند عمدہ  
مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ "زمنوں کے سلاب" کو میں اس طرح کا ایک عمدہ  
مجموعہ تصور کرتا ہوں۔ (پروفیسر) کرامت علی کرامت  
۱۲ اپریل ۱۹۸۴ء سدر گڑھ

آپ سے جو بھی ملاقات رہی، مختصر رہی۔ تفصیلی گفتگو کا موقع نہ ملا۔  
 ملا۔ اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور آپ  
 نے فون پر بہت سارے احباب کو خبر دی ورنہ شاید میں حیدر آباد  
 میں کسی ادیب سے مل نہیں پاتا۔

برہم پور (اڑیسہ) (پروفیسر) کرامت علی کرامت  
 ۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء

نیر صاحب مبارک !

کل رات ٹی۔ وی۔ پر مشاعرہ میں آپ کو مٹا اور آپ  
 کے سراپا کی جھلکیاں گویا اصل روپ میں دیکھیں۔ ایک میں ہی نہیں  
 میرے گرد و پیش جتنے بھی لوگ تھے سمجھوں سے زیادہ آپ کو  
 پسند کیا ہے۔ آپ کے نام کے اعلان کے ساتھ چند تعارفی اور  
 تعریفی جملے میرے مُنہ سے بھی نکل گئے تھے۔ مناظر عاشق ہر گزانی  
 کا تبصرہ مجھے موصول ہو چکا ہے جو دوسرے شمارے میں شامل رہے  
 گا۔ دو نظمیں بھی دے رہا ہوں۔ پسند کی آگئی تھیں اسلئے شامل کریں  
 دونوں غزلوں کی کتابت تو ہو ہی چکی ہے۔ اس طرح آپ اب کے  
 شمارے میں چھائے ہوئے رہیں گے۔

عتیق احمد عتیق

۵ جولائی ۱۹۸۲ء

بہار

برادرِ مکرم - تسلیم !

نوازش نامہ ملا - آپ کے گراں قدر خیالات معلوم کر کے یہ خدا  
خوشی ہوئی، میں نے دشمن بنائے ہیں کھری کھری سنا کر۔ یہ جان لیوا  
عادت مجھے شاد عارفی سے ملی ہے ورنہ میں - زمانہ آج کل ایسے  
لوگوں کا ہے جو سازشی ذہن رکھتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ کے امتیاز  
سے قطع نظر کرتے ہوئے محض ان کی تعریف کر سکیں جو ان کو سراہتے  
ہیں۔ چنانچہ یقین کیجئے کہ ایسے لوگ جو آج سے دس پانچ سال قبل  
محض ہم لوگوں کے اشعار کی تعریف کر کے خطوط کے کالم میں چھپ  
لیا کرتے تھے، آج آستین پڑھا کر لڑنے پر آمادہ ہیں۔ جبکہ نہ وہ ادبی  
عمر کے لحاظ سے بالغ ہیں نہ ایسی تخلیق کے خالق ہیں جن پر فخر کیا جاسکے  
اپنے قلم کے خلوص پر مجھے اعتماد ہے۔ جب یہ گرد چھٹے گی لوگ اصل  
اور نقل میں خود تمیز کر سکیں گے۔ دراصل زمانہ سب سے بڑا نقاد ہے  
جی ہاں! حیدر آبادی احباب میں (بہ استثناء احمد مہاشین صاحب)

تقریباً سبھی ضرورت سے زیادہ محتاط ہیں۔ آپ وہیں ہیں اس لئے  
صورتحال کو بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ اور تک آباد آپ سے قریب ہے  
وہاں البتہ زیادہ گرم گرمی ہے۔ اور یہ بڑی ٹھیلی کی بات ہے دیکھئے  
تیر صاحب! آج روایت پرست حقیقی جدت پسندوں کو روایت  
پرست کہتے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ ؟ نیاز مند

(ڈاکٹر، منظرِ حنفی)

سیہور (بھوپال)

۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء

انجمن روح ادب الہ آباد اپنے جہشِ زرین کے موقع پر گزشتہ نصف صدی کی غزل کا ایک بہترین اور نمائندہ انتخاب شائع کرے گی اور مجھے اس کی ترتیب و تدوین کا فریضہ انجام دینا ہے میری کوشش یہ ہے کہ اس مجلہ کو غزل کے سلسلے کی ایک ایسی ضخیم جامع اور معیاری دستاویز کی صورت میں پیش کیا جائے جو آئندہ غزل پر کام کرنے والوں کے لئے ایک حوالے کی کتاب کا کام دے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام اس عہد کے ممتاز اور قابل ذکر غزل گوؤں کی معاونت کے بغیر یا یہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ بھی ہے کہ اس مجلے کو اواخرِ ستمبر ۱۹۹۲ء تک منظرِ عام پر آجانا چاہیئے۔ ازراہِ کرم اپنی چھ بہترین غزلیں اس انتخاب کے لئے جلد ارسال فرمائیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنی ایسی غزلیں مرحمت فرمائیں جو قبل از این کسی بھی غزل نمبر یا کسی دوسرے انتخاب میں شریک اشاعت نہ ہوں۔

معاونت کا شکریہ۔ السلام۔ آپ کا

کلکتہ۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۲ء (ڈاکٹر) مظفر حقی

مکرمی - آداب !

یکم مارچ کو کوئٹہ دوسروں کا مشاعرہ ہے۔ آپ اور راشد  
(راشد آزاد) اس میں مدعو کئے جا رہے ہیں۔ ”ذہن جدید“ کے بارے  
میں رائے سے نوازیں۔

دہلی - ۱۲ فروری ۱۹۹۲ء زبیر رضوی

برادرِ م - سلام مسنون !

یہ امر میسر لئے باعثِ سعادت و مسرت رہا کہ ایک  
مدّت کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی وہ بھی مختصر عرصے کے لئے۔  
کاش کہ آپ سے تفصیلی گفتگو ہوتی تاکہ برسوں کی تشنگی مٹ جاتی۔  
بدواس - ۲۲ فروری ۱۹۹۲ء عزیزہ تمنائی

برادرِ محترم !

آپ کی نوازشوں نے غلام کر لیا۔ تینوں کتابیں تحفہ ملیں،  
پنجاب سے ایک ڈائری چھپتی ہے اس کی اشاعت دولاکھ ہے  
آپ یقین کریں۔ اس کے لئے میں آپ کی کتاب ”سفر جاری“ سے  
(۷۰) آسان ترین دل میں اتر جانے والے شعرا کو بھیجے ہیں۔

بھوپال - ۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء بشیر بدر



بھئی نیر صاحب! سلامِ خلوص

آپ کا ارسال کردہ گرافڈر تحفہ ”نوشید کا سفر“ موصول ہوا۔  
یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ گزار ہوں۔

آپ کا کلام عرصہ سے رسائل میں پڑھتا آرہا ہوں۔ آپ کے  
علوئے خیال اور حسنِ بیان کا قائل ہوں۔ اب کلام کو یکجا دیکھنے  
کا موقع ملا تو مزید مسرت حاصل ہوئی۔ آپ کو ٹی۔ وی کے قلم  
میں دیکھا تو آنکھوں کے نور میں بھی اضافہ ہوا۔

سچ جانیئے آپ کی غزلوں کے بہت سے اشعار نے دامنِ دل  
کھنچ لیا ہے۔ اور اکثر رشک آیا کہ کاش اس طرح کے اشعار میں  
بھی کہتا۔

منظہر ایام  
ڈاکٹر کٹر دور درشن

دور درشن، سرینگر  
۸ جولائی ۱۹۸۲ء

برادرِ نیر!

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ مبارکباد کا شکریہ۔ یہ سب آپ  
ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے (کیونکہ کابینہ کی اشاعت)۔ خدا  
آپ کو ہمیشہ شاد و فرام رکھے۔ سیکشن آفیسر کی حیثیت سے آپ کی ترقی  
پیردینی نوشی ہوئی۔ مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ نے کچھ انتظامات میں  
مدد لینی ہے۔ ۲۶ اپریل کو آپ میرے ساتھ ٹائٹل کلب میں ۸ بجے شب  
کھانا کھائیے۔ میں ۹ کو آ رہا ہوں۔ کم سواد سلیمان خطیب  
پانی محل بھلگرگہ - ۷ اپریل ۱۹۸۲ء

ڈیرنیر صاحب !

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ حکومتِ آندھرا پردیش نے آپ کو ۳ سال کے لئے رکنِ آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی مقرر کیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اپنی اس ذمہ داری کو نہایت عمرگی سے نبھاتے ہوئے، زبانِ وادب کی خدمت کریں گے۔

ابوالفیض سحر

پرسنل سیکشن افسر ترقی اُردو بورڈ  
دہلی

دہلی  
۲۱ مارچ ۱۹۹۲ء

پچھلے دنوں اخباروں میں شائع ہوئی خبروں سے یہ پتہ چلا کہ آپ ادبِ رئیسِ اختر، سہارن پور میں منعقد ہونے والے کسی مشاعرے میں شریک ہو رہے ہیں۔ وہ تاریخ اُنی بھی اور گئی بھی مگر میری توقعات کے خلاف آپ لوگوں سے نہ آتے وقت ملاقات ہو سکی اور نہ جلتے ہوئے۔ آتے سے قبل آنے یا جانے کے پروگرام کے بارے میں لکھتے تو میں خود آکر ملتا، پتہ نہیں آپ لوگوں نے کیوں AVOID کیا۔

اخباروں میں آپ لوگوں کی مصروفیات کے بارے میں پڑھا رہا تھا ہوں۔ آپ لوگوں نے نئے ادب کی نئی تاریخ مرتب کی ہے۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ روشن چراغوں کے سلسلے کی طرح جاری ہے۔ مخلص

ابوالفیض سحر

سروجنی نگر۔ نئی دہلی۔  
۲۰ مئی ۱۹۹۵ء

مکرمی تیر صاحب !

آداب - آپ کا پیرم خلوص عنایت نامہ ملا۔ شکریہ۔ پچھلے دنوں  
میراجید رآباد آنا، دوبار ہوا۔ ایک بار تو آپ سے جگر صاحب  
کے کمرے میں ملاقات رہی، آپ کچھ مصروف تھے۔ اس لئے زیادہ  
گفتگو نہ ہو سکی۔ آپ لوگوں کی ادبی مصروفیات کا علم اخباروں  
کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ خوش ہوتا رہتا ہوں۔ خلص  
دہلی

الوافیض سحر  
۱۹ اگست ۱۹۹۵ء

○

انشاء اللہ ۱۳ ارمی کو دہلی سے چلکر ۱۴ ارمی کی رات کو  
حیدرآباد پہنچوں گا آپ سے ۱۵ ارمی شام کو سیاست کے دفتر  
پر ملاقات ہو سکتی ہے۔ رئیس اختر صاحب سے بھی ملاقات ہو گی  
اور تفصیلی گفتگو بھی۔

بہر حال آپ لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات  
سے پتہ چلتا رہتا ہے۔ بڑی اہم خدمات ہیں جو ایک طرف تاریخ  
بنارہی ہیں تو دوسری طرف علمی و ادبی تخلیقی سفر اور اس کا حق  
ادا کر رہی ہیں ساتھ ہی ہماری تہذیبی روایات کی تحسین شناسی کا کام  
بھی بہ حسن و خوبی انجام پا رہا ہے۔ آج کے حالات میں کیا یہ کوئی کم  
کار نامہ ہے۔ بہر حال ہمیشہ کی طرح دلی مبارکباد۔ انشاء اللہ ملتا ہو گی۔  
خدا حافظ۔ خلص الوافیض سحر ۲۴ ارمی ۹۵ء

طیر صلاح الدین نیر !

”سفر جاری ہے“ کی اشاعت کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ میں آپ کا شکریہ گزار ہوں کہ آپ نے ایسے خوشگوار موقع پر مجھے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔ میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں کہ میں شریک نہ ہو سکوں گا اسلئے کہ میں سرکاری دورے پر ترویجی جا رہا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ کا یہ سفر اسی طرح جاری رہے گا۔

انیس الحق

دور درشن کینڈر حیدر آباد      ڈائریکٹر دور درشن۔ حیدر آباد  
۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء

حیدر آباد کی یاد جب آتی ہے تو اس میں آپ کی یاد شامل نہ ہونا ممکن ہے قیام حیدر آباد کے دوران آپ نے جس غلوں و محبت سے مجھے گلے لگایا وہ آتمٹ ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے

آپ کا

انیس الحق

ڈائریکٹر دور درشن۔ نیگلور

بنگلور

۲۵ اگست ۱۹۸۹ء

برادر عزیز القدر! السلام علیکم!

آج کے اخبار سے بہت مسرت انگیز اطلاع بھی ملی کہ محترمہ گورنر صاحبہ (مکود بین جوشی) رشتوں کی مہک کی رسم اجراء انجام دیں گے۔ حیدرآباد کی جن بلند ادبی روایات کی پاسداری آپ کے لئے جزد ایمان ہے۔ وہ یقیناً مستقبل بعید میں بھی روشن و تابناک رہے گی۔ شعر و سخن سے آپ کی دالہانہ و استغنی بہر آئینہ فال تیک ہونے کے ساتھ لائق تقلید بھی ہے۔

گلبرگ (ڈاکٹر) راہی قریشی  
۲۸ جنوری ۱۹۸۷ء شعبہ اُردو گلبرگ یونیورسٹی

نامہ نوازش کے تحت کل فارسی منقبت موصول ہوئی۔ آپ کی اس منقبت نے بے حد متاثر کیا۔ میں آپ کی فارسی دانی سے آگاہ نہیں تھا۔ بارگاہ فاطمہ الزہراء میں آپ نے جو گہرائی عقیدت بکھری ہیں انہیں رحمت سلوٰی و طالبہ جامعہ گلبرگ (سیت) میں لگی۔ اس طرح یہ گمراہ منقبت انشاء اللہ شریک مقالہ رہے گی۔ میں اس تعاون کے لئے سرایا سپاس ہوں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے روابط تین دہوں کے بعد دُور

کے باد صفا الحمد للہ تاحال تابندہ و فروزاں ہیں۔

شعبہ اُردو گلبرگ (ڈاکٹر) راہی قریشی یکم اپریل ۱۹۹۳ء

## ڈیر صلاح الدین ایبٹر السلام علیک !

جب میں نے جناب عابد علی خاں کے سانحہ ارتحال کی تکلیف دہ خبر سنی تو مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے گزشتہ ۳۰ برسوں سے جناب عابد علی خاں سے والہانہ وابستگی کے ساتھ اپنے رشتہ کو برقرار رکھا ہے۔ حیدر آباد کے لوگوں سے جس قدر مرحوم کو محبت تھی، اسی طرح حیدر آباد کے لوگ بھی انہیں چاہتے تھے۔ شعرو سخن سے محبت کرنے والی شخصیت کس اہتمام سے ہر سال ادبی ٹرسٹ کا مشاعرہ منعقد کیا کرتی تھی۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے سارے ملک کے مشاعروں میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ مرحوم نے سیاست اختیار کے ذریعہ بے پناہ اُردو کی خدمات انجام دیں۔ کسی کا بھی ڈرائینگ روم 'سیاست' کے بغیر بے معنی لگتا ہے۔ آپ نے اپنے ایک سرپرست کو کھودیا ہے۔ مجھے اس بات کا کبھی احساس ہے کہ عابد علی خاں صاحب کے انتقال سے آپ پر کیا گزری ہوگی۔ خدام مرحوم کو اپنے ہوا پر رحمت میں جگہ دے۔

کبیر احمد

۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ء ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو (ح)

یہ طے کیا گیا ہے کہ ریڈیو کشمیر (سرینگر) سے آپ کا انٹرویو نشر

کیا جائے جو ۱۵ اگست کا ہوگا۔ یہ انٹرویو آپ کی شاعرانہ اہمیت

شخصیت اور خدمات کے سلسلے میں ہوگا۔ میں شکریہ گزار رہوں گا

اگر آپ کوئی عہد دل ادیب و نقاد کا نام تجویز فرمائیں۔ یہ انٹرویو

آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے اسٹیشن میں ماہ جنوری ۱۹۹۵ء کے

دوسرے ہفتے میں ریکارڈ کیا جائے گا۔ کبیر احمد

۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء (ڈاکٹر ریڈیو کشمیر)

میں شکریہ گزار ہوں کہ مجھے آپ کا تعاون حاصل ہے آپ

واقعتاً نہایت نفیس، بہترین طبیعت کے انسان ہیں۔ مجھ سے

جو آپ کا تعلق خاطر ہے میں اس کے لئے بھی شکریہ گزار ہوں۔

مجھے یہ کہتے ہوئے بھی مسرت ہوتی ہے کہ ہماری بے عرض دوستی

گزشتہ ۳۰ برس سے برقرار ہے۔

کبیر احمد

۲۴ اگست ۱۹۹۲ء

جناب صلاح الدین نیر صاحب ! آداب عرض ۔

خدا کرے ہر طرح خیریت ہو۔ خدا کا شکریہ ہے کہ محفلِ نوحاتین کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئی۔ ان دس بارہ برسوں میں آپ نے ہر وقت اور ہر موقع پر جو تعاون کیا اس کے لئے میں نے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ سداۓ مجلسِ مشاعرے، تماشوں میں موسیقی کے پروگرام اور اس کے علاوہ میگزین کی کمپن ذمہ داری اور نگرانی یہ آپ کا ایسا پُر خلوص تعاون رہا کہ شاید محض شکریہ کے ذریعہ اپنے احساسات کا اظہار نہ کر سکوں۔ ایسے موقعوں پر اکثر الفاظ نہیں ملتے جو خیالات کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔ اللہ آپ کو معہ اہل و عیال صحت مند، مطمئن اور شاد رکھے۔ آمین۔ ایک بار پھر آپ کے تعاون کا شکریہ۔ خدا حافظ دعا گو

بنجارہ ہلز۔ ۸ جولائی ۱۹۹۴ء فاطمہ عالم علی

شوق نیر بھائی صاحب !

بڑا مضحکہ خیز لگ رہا ہے تین ماہ بعد اپنے پہنچنے کی اطلاع دینا۔ لیکن آنے کے بعد تمام امور کی تکمیل بھی ضروری تھی جو ہماری طویل غیر حاضری میں انبار کی شکل میں موجود تھے۔ ان سے نپٹنے میں اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ آپ کو اپنی تحریر ارسال کر دوں۔ لیکن آپ نے بھی اس دوران اپنے قلم کو جنبش نہیں دی۔!



غالباً آپ اپنا زیادہ وقت ادبی سرگرمیوں میں نذر کرتے ہیں۔  
 اکثر و بیشتر آپ کا تذکرہ ہماری گفتگو کا مرکز ہوتا ہے۔  
 آپ کا مخلصانہ رویہ — برادرانہ محبت و شفقت یادگار  
 لمحے ہیں جو ہماری زندگی کا انمول اثاثہ بن گئے ہیں۔ آپ کے  
 مصروف بہترین اوقات میں غفل ہونے کی تہہ دل سے معافی  
 چاہتی ہوں۔ آئندہ پھر کبھی۔

خلوص و احترام کے ساتھ

پروین کمال

(فرانکوٹ۔ جرمنی)

۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء

نیر بھائی!

نیر بھائی سچ مح آپ سے نہ ملنے کا دکھ ہے۔ ایک بھائی  
 بہن کے گھر آئے اور بغیر ملے چلے جائے۔

ماضی کی چند بھولی بسری یادوں کا عکس زمانہ حال کے آئینہ  
 میں دیکھ کر ایک آہ بھرنے کو جی چاہتا ہے۔ 'خاتونِ دکن' (رسالہ)  
 میرے لئے دلیان اور گلستان کی حیثیت رکھتا ہے جس میں  
 نکل تازہ کی ہرک بھی شامل ہے۔ بعض وقت افسوس ہوتا  
 ہے کہ سرزمین کو چھوڑ کر میں کہاں آگئی۔

ما لحو الطاف

(مدیر خاتونِ دکن)

دوحہ قطر ۲۱ جنوری ۱۹۸۲ء

آپ کا خط ملا۔ نشانِ منزل ابھی دور ہے۔ ابھی آپ کی  
کئی کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ میرے شریک نہ ہونے سے  
آپ بالکل مایوس نہ ہوں۔ ایسی اور کئی کتابیں آپ کی آتی رہیں گی۔  
دوحہ قطر  
صالحہ الطاف

نستربھائی !

السلام علیکم

امید کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ آپ نے کتاب  
بڑے سلیقے سے بہت ہی خوبصورت چھپوائی ہے۔ پہلے آپ کو  
پھر آپ کو میری طرف سے دلی مبارکباد۔ دعا ہے کہ خوشبو کا سفر  
دنیا کے ادب میں خوشبو پھیلاتا رہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ  
کا ایک اور مجموعہ قدر شناس ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ خدا کرے  
کہ آپ آسمانِ ادب میں خوب چمکیں۔ بس یہ سمجھیے کہ آپ کی  
بہن کی دعائیں ہر دم آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ کی ساعری ”گل تازہ“ سے شروع ہوئی ہے۔ جب  
حیدرآباد آئی گی تو ”گل تازہ“ کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگا۔  
آپ کی بہن

صالحہ الطاف

۱۲ مئی ۱۹۸۸ء

مکرمی جناب صلاح الدین نیر صاحب !

مجھے افسوس ہے کہ یہاں آنے کے بعد کچھ ایسا مصروف ہو گیا کہ آپ حضرات کا شکریہ ادا نہ کر سکا۔

اب حالات سنانے کا موقع ہوئے تو لکھتے بیٹھ گیا کہ مزید تاخیر نہ ہونے پائے میں آپ کا اور رئیس اختر صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ میری پذیرائی کی۔

آپ کا ترانہ (مادرِ جامعہ عثمانیہ) بہت پسند آیا اُسی ترانے کو جہاں بھی پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ عارف قریشی نے پوچھا کہ کیسے کیوں نہیں لائے تاکہ اُسی طرز سے پڑھا جائے۔ اگر آپ ترانہ بیکارڈ کر کے بھیجیں تو نقل کی جا سکتی ہے ورنہ پتہ نہیں کونسی لے کو اختیار کیا جائے۔

احقر

سعید محسن باغزال ۱۰ نومبر ۱۹۹۷ء

جدہ

برادرِ م جناب نیر !

میں کل رات پہ ۱۲ بجے لکھنؤ بس کے ذریعہ حیدرآباد سے نکل کر تاج صبح پہ ۴ بجے گلبرگہ شریف اللہ کے فضل و کرم بخیر و عافیت پہنچا۔

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا ہر طرح خیال دیکھا اور میری اہمیت اور وقار کو اپنے خلوص سے آگے بڑھایا۔ مونسو

کی پیشکش میں بھی آپ نے مجھے پہلے بلوایا اور کلام سنانے کے لئے بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔ میرے پاس الفاظ ہی نہیں کہ آپ کا بے حد شکریہ ادا کروں۔ آپ کے دیرینہ خلوص اور وابستگی سے ہر کوئی ذی شعور شخص نہ صرف حیدر آباد کا بلکہ اضلاع کا بھی واقف ہے۔ یہ آپ کی مہربانی ہے کہ مجھے ہمیشہ یاد فرماتے رہتے ہیں۔ دوسرے دن کی شعری نشست بھی آپ کے خلوص کی آئینہ دار ہے۔ گو وہ مختصر نشست تھی لیکن اس میں پیار، خلوص، عجز، جذبہ، غیر سگالی سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں بھی آپ نے مدارت کے لئے مجھے ہی منتخب فرمایا۔ نئے دوست احباب سے متعارف کر دیا۔ الغرض میں آپ کی کن کن مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں۔ یقین مانئے حیدر آباد کا جب بھی ذکر آتا ہے آپ یاد آجاتے ہیں۔ اور حیدر آباد جب بھی میرا آنا ہوتا ہے اس میں آپ سے نیاز حاصل کرنے کا جذبہ صادق اولین مقام رکھتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا آپ کا دوست و مخلص کہلانا حیدر آباد کی علمی، ادبی اور قلمی اداروں سے متعارف ہونا ہے۔ حیدر آباد کی کوئی علمی، ادبی اور شعری بڑی سے بڑی محفل اور جلسہ ایسا نہیں ہوتا جس میں آپ کی شخصیت کا دخل نہ ہو اور آپ پر ایسی محفل کے روح رواں ہیں۔ حقیقت اور صداقت کے اظہار کو کبھی مبالغہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ میں مکرر آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عبد الرحیم آرزو ایڈیٹر

گلبرگ ۶، مئی ۱۹۹۱ء

## بھائی نیر صاحب دام مجتبہ !

میں آپ کے اس پُر خلوص خط کا بھی جواب نہ دے سکا جس میں آپ نے آل انڈیا ریڈیو کثیر کے لئے مجھے اور دوسرے اصحاب کے کلام کو آل انڈیا ریڈیو کلرگ سے ریکارڈ کروانے کے لئے اقدام کیا تھا۔ میں ہمیشہ ہی سے آپ کے خلوص اور محبت کا قائل ہوں۔ آپ مجسم شرافت اور وسیع النظر ہیں اور آپ میں عظیم انسان پوشیدہ ہے۔ حساس طبیعت کے ساتھ ساتھ آپ میں عزت نفس کا جوہر ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حق و صداقت کے اظہار میں آپ نے کبھی بھی مصلحتوں کا خیال نہیں کیا۔ اپنی اصل پسندی کو ہا ہر ایک سے منوایا ہے۔ اور حیدر آباد میں آپ کا نام نہایت احترام اور عزت سے لیا جاتا ہے۔ آپ کے ہزاروں پرستار اضلاع حیدر آباد اور حیدر آباد کمرٹاٹک میں موجود ہیں۔ شاعری کے میدان میں آپ کی بین الاقوامی شہرت ہے۔ جو مجھ جیسے انسان کے لئے باعثِ صداقت و افتخار ہے۔ میں آپ کی کن کن خوبیوں کا اظہار کروں، عایت ہوں۔ دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور آپ ادبی دنیا میں تابندہ ستارہ کی طرح نمایاں رہیں۔ (آمین)

عبدالرحیم آزاد ویدو کیٹ  
۲۱ مئی ۱۹۹۵ء

کلرگ

صدیق محترم جناب صلاح الدین نیر صاحب !

السلام علیکم ! جناب سید انیس ہاشمی میرے انتہائی قریبی رفیق کار اور گورنمنٹ ڈگری کالج بیدر میں اُردو کے لیکچرر ہیں۔ موصوف اُردو میں کسی ایک خاص موضوع پر ڈاکٹر کے لئے ریسرچ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ حیدر آباد آرہے ہیں یہ ایک اچھے صاحبِ طرز ادیب، شاعر اور صحافی بھی ہیں۔ شاید اپنا کوئی مضمون اور نیوز سیاست میں شائع کروانا چاہتے ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ ان کی ممکنہ مدد و حوصلہ اقرائی فرمائیں۔

آپ کا مخلص

بیدر

محسن کمال ایم بی سی

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء

برادر محترم جناب صلاح الدین نیر صاحب۔

السلام علیکم ! طبری شہر مندرگی و ندامت کے ساتھ مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء کو منعقد شدنی حیدر کر نالک مسلم ویلفیر کانفرنس اور مشاعرہ فی الحال ملتوی کر دیا گیا ہے۔ التواؤ کی وجوہات میں سب سے اہم ریاستی قانون ساز اسمبلی و کونسل کے ۷ اگست سے شروع ہونے والے اجلاس بارش کا شدید موسم ہے۔

انشاء اللہ اب یہ کانفرنس اور مشاعرہ اکتوبر ۹۵ء کے دوران ہونگی جس کی قطعی تاریخ کا متعاقب اعلان ہوگا۔ اس خصوص میں اخبارات

کو نیوز بھی بھیج دی گئی ہے۔ آپ کا غیر معمولی تعاون اور برادرانہ شفقت میرے لئے بڑا اثاثہ ہے۔ ایک بار پھر رحمت دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن اس یقین کے ساتھ کہ آپ کا یہ جذبہ خلوص آئندہ بھی میرے لئے مشعل راہ رہے گا، اجازت چاہتا ہوں۔  
محترم رئیس بھائی اور دیگر شعرائے کرام کو تسلیات۔ ہوسکے تو محترم زاہد علی خاں صاحب سے بھی کالفرنس کے التواء کا ذکر کر دیجئے گا۔ زیادہ شکریہ۔ والسلام۔

آپ کا نیاز محمد

بنگلور

محسن کمال ایم ال سی  
۱۴ اگست ۱۹۵۷ء

عزیزی نیرمیاں!

سلام و دعا۔ ”سلسلہ پھولوں کا“ میں بنرم سعدی کا ذکر پڑھا کہ خیال ہوا کہ اس بنرم میں سنائی ہوئی چیزوں کو جو منتشر کاغذات کی شکل میں ہیں یکجا کر لیا جائے۔ اس طرح کچھ اردو کے مشاعرہ میں سنایا ہوا کلام بھی بے ترتیب پڑا ہوا تھا۔ اب اس مجموعہ کی طباعت کی اصل وجہ تحریک ”سلسلہ پھولوں کا“ ہی ہے اور یہ سمجھا جائے کہ گویا یہ اُسی کی ایک کڑی ہے۔

مجھے خیال آیا کہ اس پر تقریب جناب صلاح الدین نیر سے لکھواؤں گا۔ کیونکہ بنرم سعدی کے بانی شریک معتمد آپ تھے اور پھر ناری پر

بھی عبور رکھتے ہیں۔ پھر تقریظ لکھنے کے لئے کئی شرائط کی ضرورت ہے۔ یعنی اول تو لکھنے والے کے قلم و زبان میں وزن ہو، امد ایسے حساس دل و نگاہ رکھتا ہو کہ بغا ہر ایک قابلِ توجہ چیز میں بھی کوئی خوبی چھپی ہوئی ہو تو اس کی نظر میں آجائے۔ نیز میاں آپ سے میری خواہش یہی ہے کہ اس بے ترتیب مجموعہ کو شروع سے آخر تک (اپنے حسبِ فرصت) ضرور پڑھ لیں اور پھر میری جھیلیں والی زندگی کے تناظر میں میرے کلام کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اب ایک دوستانہ نصیحت۔ اپنی صحت کا خیال رکھئے اور اپنی مصروفیتوں کو حد سے زیادہ نہ بڑھائیے۔ دنیا بُری جگہ ہے۔ مثل مشہور ہے سود دوست سود دشمن۔ اللہ تعالیٰ سے بواسطہ محمدؐ و آلِ محمدؐ دعا ہے کہ آپ کو نظر بد سے بچائے اور آپ کا معیار کسی موقع پر بھی متاثر نہ ہونے پڑے۔

دعاؤں کے ساتھ

حامد بن شبیر  
رسمیشن جج موظف

۱۹ جولائی ۱۹۹۳ء  
حیدر آباد

لکھنؤ میر صاحب۔ سلام مسنون!  
امید ہے کہ آپ اور سب احباب مع الخیر ہوں گے خصوصاً  
رسمیشن اختر، منان منظور، مومن خان شوق۔



میں نے ۳ جون کو ہمارا شعر اردو اکادمی کے مشاعرے میں حصہ لینے کے بعد ۴ اور ۵ کو اکادمی کے سمینار میں شرکت کی۔ مشاعرہ بے حد سنجیدہ تھا اور ”گوئیوں“ سے عاری تھا۔ ایک دو شاعر ایسے تھے جنہوں نے باقاعدہ ترنم سے شعر سنائے۔ باقی سب نے تحت اللفظ کلام پیش کیا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ ادھر چند روز سے حیدر آباد کے باہر ”گوئیوں“ کی مانگ کم ہوتی جا رہی ہے اور مشاعرے ادبی قسم کے ہونے لگے ہیں۔ جتنے حیدر آباد کے ماحول میں یہ خوشگوار تبدیلی کب آئے گی۔ بمبئی میں گوپی چند نارنگ سے ملاقات ہوئی میری میر والی کتاب کی تعریف کر رہے تھے۔ دلی میں شمس الرحمن فاروقی نے بھی تعریف کی۔ نظریاتی مخالفت کے باوجود دو ایسے نعا دوں سے، جو اب ایک دوسرے کے مدّاح نہیں ہیں اپنی کتاب کی تعریف سن کر خوشی ہوئی۔ افسوس کے حیدر آباد کے ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی نہیں ہوئی۔ شاید اس وجہ سے کہ کتاب خرید پڑھنے کی ہمارے ادیبوں کو عادت نہیں ہے۔

میں بمبئی سے ۶ جون کی رات یعنی ۷ جون کی اولین ساعتوں میں لندن کے لئے ایک بج کر پندرہ منٹ کو روانہ ہوا اور ۸ بج کر ۱۵ منٹ پر اسی روز صبح لندن پہنچا۔

لندن میں پندرہ روز رہا۔ وہاں جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ادبی ذوق رکھنے والوں میں ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کے علاوہ مصطفیٰ الشہاب، مصطفیٰ احمد، بابر مسعود، حسن الدین احمد کے بھائی عزیز اور کئی لوگ تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے میر کی غزل گوئی پر میری ایک گھنٹہ کی تقریر کا اہتمام کیا۔ پاکستان سنٹر میں منعقدہ جلسے میں تعجب کی بات ہے کہ تقریباً چالیس احباب کی موجودگی میں بلا جھجک میں نے تقریر کی، اور پھر ایک گھنٹہ تک سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا جس میں بی بی سی کے نامہ نگار نے بھی شرکت کی۔ جلسہ اتنا کامیاب رہا کہ سامعین میں سے چند نے کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ تقریر ایک اور گھنٹہ تک جاری رہے! عجیب بات ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو مقرر نہیں سمجھا اور اس تجربہ کے بعد ایک اعتماد سا محسوس ہونے لگا ہے۔

میں ۲۳ جون کو لندن سے روانہ ہوا اور اسی روز دو پہر کو شکاگو پہنچا۔ میری دو پوریوں کو کراٹے (TAE KWON DO) میں بلیک بیلٹ (BLACK BELT) ۲۶ جون کو ملا اور ۳ جولائی کو میری پوتی نے امریکہ کی تے کوان ڈو NATIONAL CHAMPIONSHIP جیت لی اور ایک نہیں دو مقابلوں میں۔ یہاں

حسن چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی اور افتخار نسیم کے گھر پر ایک نشست رہی جہاں پتہ چلا کہ میر والی تقریر پاکستان میں بھی کافی مقبول ہوئی۔ مخلص۔ راشد اڈر  
شکاگو  
۶ جولائی ۱۹۹۴ء

لندن میں پندرہ روز رہا۔ وہاں جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ادبی ذوق رکھنے والوں میں ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کے علاوہ مصطفیٰ شہاب، مصطفیٰ احمد، بابر مسعود، حسن الدین احمد کے بھائی عزیز اور کئی لوگ تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے میر کی غزل گوئی پر میری ایک گھنٹہ کی تقریر کا اہتمام کیا۔ پاکستان سنٹر میں منعقدہ جلسے میں تعجب کی بات ہے کہ تقریباً چالیس اجاب کی موجودگی میں بلا جھجک میں نے تقریر کی، اور پھر ایک گھنٹہ تک سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا جس میں بی بی سی کے نامہ نگار نے بھی شرکت کی۔ جلسہ اتنا کامیاب رہا کہ سامعین میں سے چند نے کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ تقریر ایک اور گھنٹہ تک جاری رہے! عجیب بات ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو مقرر نہیں سمجھا اور اس تجربہ کے بعد ایک اعتماد سا محسوس ہونے لگا ہے۔

میں ۲۳ جون کو لندن سے روانہ ہوا اور اسی روز دو پہر کو شکاگو پہنچا۔ میری دو پوتیوں کو کرائے (TAKEN ON DO) میں بلیک بیلٹ (BLACK BELT) ۲۲ جون کو ملا اور ۳ جولائی کو میری پوتی نے امریکہ کی تے کو ان ڈو NATIONAL

CHAMPIONSHIP جیت لی اور ایک نہیں دو مقابلوں میں یہاں حسن چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی اور افتخار نسیم کے گھر پر ایک نشست رہی جہاں بہتہ چلا کہ میر والی تقریر پاکستان میں بھی کافی مقبول ہوئی۔ مخلص۔ راشد اڈر

شکاگو

۱۶ جولائی ۱۹۹۷ء

عزیز ترین دوست نیر صاحب!

السلام علیک!

مجھے اچانک ایک کام کے سلسلے میں منگلوڑ جانا پڑ رہا ہے۔  
 شائد صدر جمہوریہ ہند کے راشٹریہ نیلام والے مشاعرہ میں شرکت  
 نہ کر سکوں۔ لیکن میری یہ کوشش رہے گی کہ میں ہر صورت  
 وقت پر پہنچ جاؤں۔ (پاس تو مجھے مل گیا ہے)۔  
 خدا کا شکر ہے کہ ہم (رئیس اختر، صلاح الدین) مجھے  
 وہ کل ہند مشاعرے ہوں کہ گورنمنٹ کی سطح کے اعلیٰ افسرین  
 ہوں، مدعو کئے جاتے ہیں۔ حکومت کے سربراہ ہوں سے بھی  
 ہمارے مراسم ہیں۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ ہم عرب ممالک  
 کے مشاعروں میں بھی مدعو کئے جاتے ہیں۔

تمہاری اور میری دوستی الٹ ہے۔ انشاء اللہ تاحیات اسی  
 پُر وقار اور والہانہ وابستگی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنی  
 ۳۵، ۳۶ سالہ شاعرانہ زندگی میں ہم نے بہت سے انقلاب دیکھے  
 ہیں۔ کیسے کیسے دوست، کیا سے کیا ہو گئے۔ یہ الفاظ دیگر بعض  
 دوستوں نے ادبی نوادگی کر لی ہے۔ معیاری محفلوں سے کٹ کر  
 رہ گئے ہیں۔ اللہ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنی ۳۵ سالہ دوستی  
 کے ایک ایک لمحہ کا جائزہ لیں۔

یہ خط بھیجنے والا ہی تھا کہ بنک طور سے ٹیلیگرام آیا کہ مجھ پر  
 مصروفیات ملتی ہو گئی ہیں۔ تم سے آج شام انشاء اللہ  
 اشوکا ہوٹل (بکری کا پل) پر ملاقات ہوگی۔  
 ”گلفشاں“ (گلاب سنگھ کی باغیچہ) تمہارا دیرینہ دوست  
 رئیس اختہ ۱۹۹۵ء

محبتی و مکرم جناب تیر صاحب!

سلام رحمت!

بہادر یار جنگ کو شہید ہوئے ۵۱ سال کا طویل عرصہ  
 ہوتا ہے۔ بہادر یار جنگ ایک خطیب بے بدل اور عظیم قائد تھے۔  
 قائد ملت کی خدمات اور احسانات کو ہم بھلا نہیں سکتے۔ چونکہ  
 آپ بزرگ شاعر ہیں اور قلب و نظر سے راسخ العقیدہ مسلمان  
 ہیں لہذا آپ سے گزارش ہے کہ قائد ملت پر ایک نظم مختصر سہی  
 جلسہ قائد ملت جو ۲۸ نومبر ۱۹۹۵ء کو بعد مغرب بہادر یار جنگ  
 ہال، مشیر آباد میں منعقد ہو گا سنانے کی زحمت فرما کر مشکور ہیں۔  
 محسن امداد عابد علی خاں بہر آپ کا کہا ہوا شعر —  
 بہت سے لوگ تو بیٹھے ہیں شبہ نشین پہ مگر  
 وہ ایک خاص جگہ اب بھی حنائی خالی ہے  
 مجھے رُلانے کے لئے کافی ہے۔ میں قدیم آپ کے کلام کا شیدا ہوں۔

احقر  
 محمد ظہور الحسن

مشیر آباد ۲۸ نومبر ۱۹۹۵ء

## ڈیر تیر - پیار !

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ادبی گروہ بندیوں سے ہمیشہ بے نیاز اور غیر جانبدارانہ روش کا پابند رہا۔ شکریہ ہے کہ ازراہِ خلوص ہی سہی تم نے کبھی مجھے ہاندھ کے رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تمہاری یہی فراخ دلی تمہارے میرے درمیان رشتہٴ دوام کی ضامن رہی۔ میں دوست پسند ہوں گروپ پسند قطعاً نہیں۔ کبھی کبھی حبِ موقع جب میں کچھ دوستوں کے زیادہ قریب ہوتا ہوں تو وہ یہہ سمجھنے لگتے ہیں کہ میں اب ان کا ہو کر دوسروں سے قطعِ تعلق کر چکا ہوں۔ احباب کی اس سوچ سے مجھے نقصان پہنچا۔

میں کسی کا بھی ہو سکتا ہوں، لیکن کسی کا ہونے کا یہہ مطلب نہیں کہ میں کسی اور سے کٹ جاؤں یا کٹ چکا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے بھی کبھی تم سے بے نیازی کا تصور نہ کیا۔ سب میں رہ کر تمہارا رہا، تمہارا ہو کر سب میں رہا۔ میں کسی بھی گروپ میں رہا ہوں تمہارے خلاف کسی سے ایک لفظ سن نہیں سکتا۔ میں خود تمہاری شکایت کر سکتا ہوں نیکیں تمہاری کوئی اور شکایت کرتے تو میرا فون کھول جاتا ہے۔

تم نے کچھ مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ شکریہ مگر میری سینیاریٹی اور میرا جذبہ غیر جانبداری مجھ پر حاوی ہے اس کی میں

## ڈیر تیر - پیار !

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ادبی گروہ بندیوں سے ہمیشہ بے نیاز اور غیر جانبدارانہ روش کا پابند رہا۔ شکر ہے کہ از راہِ خلوص ہی سہی تم نے کبھی مجھے ہاندھ کے رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تمہاری یہی فراخ دلی تمہارے میرے درمیان رشتہٴ دوام کی ضامن رہی۔ میں دوست پسند ہوں گروپ پسند قطعاً نہیں۔ کبھی کبھی حسبِ موقع جب میں کچھ دوستوں کے زیادہ قریب ہوتا ہوں تو وہ یہہ سمجھنے لگتے ہیں کہ میں اب ان کا ہو کر دوسروں سے قطعِ تعلق کر چکا ہوں۔ احباب کی اس سوچ سے مجھے نقصان پہونچا۔

میں کسی کا بھی ہو سکتا ہوں، لیکن کسی کا ہونے کا یہہ مطلب نہیں کہ میں کسی اور سے کٹ جاؤں یا کٹ چکا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے بھی کبھی تم سے بے نیازی کا تصور نہ کیا۔ سب میں رہ کر تمہارا رہا، تمہارا ہو کر سب میں رہا۔ میں کسی بھی گروپ، میں رہ ہوں تمہارے خلاف کسی سے ایک لفظ سن نہیں سکتا۔ میں خود تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن تمہاری کوئی اور شکایت کہہ کر تو میرا خون گھول جاتا ہے۔

تم نے کچھ مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ شکریہ مگر میری سنیاری ہی اور میرا جذبہ غیر جانبداری جس طرح اس کی میں

تم سے اُمید رکھوں گا۔ میں تمہارے اس خلوص کی قدر کرتا ہوں  
 کہ آپسی بحث و تکرار کے باوجود تم نے دوستی کو افضل جانا۔  
 افضل رکھا۔ مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر دوستی کا ہر قدر  
 رہنا بہت مشکل ہے۔ تم و سعدی میں قابلِ تقلید ہو۔  
 میں جانتا ہوں کہ تم کسی سے محبت پاتے رہو تو اُسے  
 محبت دینے میں بخلت نہیں کرتے۔ تم درگزر کا جذبہ رکھتے ہو۔  
 تمہیں ناگوار نہ گزرے تو عرض کروں کہ دنیا چھوٹی  
 سی ہے۔ احباب کی تعداد مختصر سی ہے۔ کبھی کبھی کسی سے نرم  
 گرم بحث یا اختلاف پڑ جائے تو اپنی درگزر والی پالیسی  
 کو شرمندہ نہ ہونے دو۔ میرے تمہارے درمیان بحث بہت  
 ہے مگر اختلاف نہیں۔ میں اُن لوگوں کی بات کر رہا ہوں جن سے  
 اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

میں نفاق کی بات کبھی نہیں کرتا، اتحاد کی بات کرتا ہوں۔  
 خیر — تمہاری خرید ترقی، صحت مندی اور خوشحالی کے لئے دعا گزار۔

تمہارا

اکمل

۱۵ جولائی ۱۹۹۵ء

اکمل حیدر آبادی

ٹوٹی چوکی۔ حیدر آباد۔ ۸